تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت ونشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۳ ۲۵ اپریل ۱۹۸۶ء مطابق ۱۶ شعبان ۱۴۰۶ھ شمارہ نمبر ۱۲

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام کے معاشرتی وخاندانی نظام اور ملی تشخص کی حفاظت میں خواتین اسلام کا تاریخی کردار اور انکے موجودہ فرائض

معزز خواتین اور عزیز بہنو! اسلام کی شروع تاریخ سے اسلام کو ایک قابل عمل نظام کی طرح دنیا میں کامیاب ثابت کرنے، اس کا عملی مظاہرہ (DEMONSTRATION) کرنے میں عورتوں کا جو ہاتھ رہا ہے، اس کو بھلایا نہیں جا سکتا، کوئی مذہب، کوئی نظام اور خاص طور پر کوئی معاشرہ (SOCIETY) اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا اور زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا، جب تک کہ طبقۂ نسواں اس میں پورے طور پر اپنی دل چسپی کا اظہار نہ کرے اور اس سے اپنی وفاداری اور اس سے وابستگی کا ثبوت نہ دے، یہ صرف تاریخ اسلام کا بلکہ دنیا کی عام تاریخ کا ایک بڑا سوالیہ نشان ہے، کہ اسلامی معاشرہ اتنے دنوں تک اپنی خصوصیات کے ساتھ کیسے قائم رہ سکا، جب کہ اس کا مقابلہ دنیا کی مختلف تہذیبوں بڑے ترقی یافتہ تمدنوں اور بڑے ترقی یافتہ اور وسیع قوانین (رومن لا، پرشین لا ے، اور ہندو لا) سے رہا ہے۔ عربوں کی محدود زندگی اور اسلام کی سادگی نے کیسے ان پر تیغ، ان ترقی یافتہ اور نازک قوانین اور ایسے معاشرتی نظام (SOCIAL SYSTEM) کا مقابلہ کیا جس پر صدیوں نہیں بلکہ ہزاروں برس کی ذہانتیں صرف ہوئیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس دشوار اور نازک کام میں ہماری بہنوں نے پورا پورا کوپریشن کیا اور تعاون کیا، امراء اور حکام، سلاطین اور بادشاہ، اسلامی فوجوں کے کمانڈر، اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے اگر خدا سے ڈرنے والی، شریف النفس، پختہ ایمان رکھنے والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص (ISLAMIC IDENTITY) کی حفاظت اور اس کی بقا کے لئے مردوں کے ساتھ مکمل تعاون (CO.OPERATION) نہ کرتیں، اگر وہ اسلام کے خاندانی نظام اور اسلامی عائلی قانون (پرسنل لا) کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی تعمیر میں جو اسلامی تربیت کے زیر اثر پروان چڑھ رہا ہو اور جہاں پاکیزگی، محبت اور امن کی فضا ہو، مردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت، صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مردوں کی مدد نہ کرتیں اور ان کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی امتیاز اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، چاہے ان کی پشت پر بڑی بڑی مضبوط حکومتیں اور بڑی اعلیٰ اور ترقی یافتہ تہذیبیں ہوتیں، بہت بڑا وسیع نظام تعلیم ہوتا، اور دولت کے خزانے ہوتے، اسلامی معاشرہ اپنی خصوصیات کے ساتھ، خود اعتمادی اور احساس برتری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ جب تک کہ بہنیں اپنے بھائیوں کا، اپنے والدین کا اور اسلامی سوسائٹی کے رہنمائی کرنے والوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں اور ان کا ساتھ نہ دیتیں، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی میں نہیں اسلامی وجود کے بقا میں بھی ان کا ہاتھ ہے۔ ان کی وجہ سے مسلمان دنیا میں اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی رہ گئے، دنیا کے مختلف ملکوں میں (جہاں کی تہذیب، جہاں کا تمدن، جہاں کے قوانین اور جہاں کا نظام معاشرت بالکل علیحدہ تھا) وہ اپنی خصوصیات اور مخصوص طرز زندگی کے ساتھ موجود ہیں، ان کے ایثار، قربانی اور جذبۂ ایمانی کے نتیجہ میں یہ دین اپنی تہذیب وتمدن، اپنی معاشرت واخلاق، اپنے اقدار وتصورات (VALVES & IDEALS) کے ساتھ ہم تک صحیح وسالم پہنچ گیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو میں نے بہت مختصر طریقہ پر بیان کیا ہے۔

اسلام نے عورتوں کو جو مرتبہ دیا ہے اور عورتوں کی زندگی میں بلکہ دنیا کی معاشرتی زندگی میں جو انقلاب عظیم برپا کیا ہے، وہ ہر پڑھی لکھی تعلیم یافتہ خواتین کو معلوم ہوگا، میں یہاں اس کا مختصر سا تذکرہ کرتا ہوں، دنیا کے مختلف مذاہب اور قوانین کی تعلیمات کا مقابلہ اسلام کے اس نئے منفرد وممتاز کردار (ROLE) سے اگر کیا جائے جو اس نے عورت کے وقار واعتبار کی بحالی، انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلانے، ظالم قوانین، غیر منصفانہ رسم ورواج اور مردوں کی خود پرستی، خود غرضی اور تکبر سے اسے نجات دلانے کے سلسلہ میں انجام دیا ہے تو آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور ایک پڑھے لکھے آدمی کو، حقیقت پسند انسان کو اعتراف واحترام میں سر جھکا دینا پڑے گا قرآن مجید پر ایک سرسری نظر ڈالنا بھی عورت کے بارہ میں جاہلی نقطۂ نظر اور قرآنی اسلامی زاویۂ نگاہ کے کھلے فرق کو سمجھنے کے لئے

نگران اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

خط وکتابت کا پتہ:

نیجر "تعمیر حیات"

پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ۔ انڈیا۔

زر تعاون

سالانہ	تیس روپے
ششماہی	بیس روپے
فی پرچہ	ایک روپیہ پچاس پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جملہ ڈاک: ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک	۱۵ ڈالر
افریقی ممالک	۱۸ ڈالر
یورپ وامریکہ	۲۰ ڈالر

نوٹ

چیک، ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپکا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ تیس روپے ارسال فرمایئے یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں

فضائل و مسائل رمضان المبارک

ماہ رمضان کی فضیلت وعظمت:

رمضان شریف اسلام میں ایک نہایت ہی مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے اس کی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے، اس مبارک مہینے میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف کا خاص مشغلہ تلاوت قرآن کریم اور اپنے اوقات کو یاد خداوندی سے بھرپور رکھنا ہے، روزہ میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ معاصی روزہ کو کالعدم اور روزہ دار کو قریب بہ ہلاک کر دیتے ہیں جس سے بچنا ضروری ہے۔

روزہ میں نیت کی ضرورت:

روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔

رمضان کے روزے کی نیت نصف دن شرعی سے پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ صبح صادق کے ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور کوئی کام جو روزہ کا مفسد ہو نہ کیا ہو اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے،

بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کر لی تب بھی جائز ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلا شبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں جاتا:

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا بلا اختیار حلق میں گرد وغبار یا مکھی مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آٹا پیسنے والے تمباکو کوٹنے والے کے حلق میں گرجو آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے آکر خود بخود لوٹ جائے ان سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا، اور کچھ خلل نہیں آتا، آنکھوں میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا، خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا، بلغم یا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر قصداً قے کی مگر

تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا، تھوڑی سی قے آئی اور قصداً لوٹا کر نگل گیا تو اس میں اختلاف ہے، اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی وتندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف وناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے، اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا، اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا، اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہو گئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن چیزوں سے قضا واجب ہوتی ہے:

کان یا ناک میں دوا ڈالنا، قصداً منہ بھر قے کرنا، منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا یا کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزے کو توڑنے والی ہیں مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے، تانبے وغیرہ کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، یا رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی۔ دن باقی تھا غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا روزہ کھول لیا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، جان بوجھ کر بدون بھولے کے صحبت کرنا، کھانا پینا، روزہ کو توڑتا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ۶۰ روزے رکھنا، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ۶۰ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے اور جن چیزوں سے مکروہ نہیں ہوتا:

بلا ضرورت کسی شے کو چبانا، نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے، قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے فصد کرانا پچھنے لگوانا روزہ میں مکروہ ہے غیبت، گالی گلوج، لڑائی جھگڑا روزے کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے، مسواک کرنا، سر یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند یا کسی

اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں، آنکھوں میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت:

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزے نہ رکھے تندرست ہو جانے پر قضا کرے، اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے، حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے نواح کے ۳۶ کوس یعنی ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ سفر شرعی سفر کہلاتا ہے، یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آنے کے بعد قضا کرے، اگر کوئی

مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہونچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے، کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں تین گھنٹے میں ۷۷ کلومیٹر پہونچ جائے گا تو اس کے لئے بھی سفر رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی، بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر وزن انگریزی، یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر کبھی طاقت آجائے گی تو قضا ضروری ہوگی، عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں، اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آئے جب خون بند ہو جاوے روزہ رکھنا چاہئے اور رمضان شریف کے بعد ان دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے جن دنوں میں عذر رہا ہے

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

اسے بھی ضرور پڑھ لیجئے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی یادگار تصنیف "پرانے چراغ حصہ دوم" سے سید عبد الرب صوفی رح اور ان کے کلام کے تعارف کے لئے چند اقتباسات "وہ (صوفی صاحب) دین میں مداہنت اور مروت کے بالکل قائل نہ تھے، اور کسی بات کو حق سمجھ لینے کے بعد اس سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے، الفرقان میں ان کا کلام برابر شائع ہوتا رہتا تھا..... اشعار کی روانی اور برجستگی، ترکیب وبندش کی چستی اور اصناف شاعری پر قدرت میرے لئے ایک نیا انکشاف تھا، وہ غزل، قصیدہ، نظم، مثنوی سب کہتے تھے اور ان کے اس جوہر کے مجذوب صاحب اور جگر صاحب بھی قائل تھے..... مجاہدین کے تذکرہ میں ان کی تیغ زبان کا جوہر اور واقعات کے بیان میں قوافی لشکر کی طرح امڈتے نظر آتے ہیں..... ان کے کلام پر مفصل تبصرہ، ان کے محاسن شاعری کا اظہار اور ان کی زندگی کے اس پہلو کا اجاگر کرنا اور اس کے ساتھ انصاف کسی اور فرصت اور بہتر صلاحیت کا طالب ہے۔ (پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۶۵ تا ۲۰۲)

کلام صوفی مجلد از سید عبد الرب صاحب قدس سرہٗ قیمت ۴۰/۰۰ (Rs. 40/-)

تحریک ایمان تبلیغی جماعت کا منظوم تعارف از سید عبد الرب صاحب صوفی قدس سرہٗ۔ قیمت ۳/۰۰

اہم سفر سفر آخرت کی فکر دلانے والے مضامین ومسائل قیمت ۵/۰۰ روپے

دعائیں اور اسلامی آداب ہر موقع کی مسنون دعائیں اور ضروریات زندگی کے اسلامی آداب قیمت ۵/۰۰ روپے

روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کے لئے آسان رزق ۳/۰۰ آسمانی روٹی ۲/۰۰ راہ امن ۱/۰۰

تذکرہ حضرت مصلح الامت رح مجلد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رح قدس سرہ کی سوانح حیات۔ قیمت ۳۰/۰۰

مکاتیب اسلامیہ کے مدرسین کے لئے ہدایات اور ضروری قواعد وتجوید ۱/=

گجراتی زبان سکھانے والی دینی کتابیں گجراتی تختی ۱/۰۰، ایمان بال پوتھی ۲/۰۰ اسلامی پہلی چوپڑی ۵/۰۰، اقرأ واچن مالا اول دوم ۵/۰۰

ملنے کا پتہ: (۱) **محمد یونس صدیقی**۔ مدیر دعوۃ الحق، کڈی، اتر گجرات

(۲) **الفرقان بک ڈپوٹ**۔ ۳۱، نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

کافی ہے، قرآن مجید صرف طاعات و عبادات اور مذہبی فرائض ہی کے سلسلہ میں، نماز روزہ ہی کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کی مساوات و شرکت کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ اس کی تعلیمات کی رو سے باصلاحیت مردوں علماء اور بڑی ہمت اور عزم رکھنے والے مردوں اور نمایاں افراد کے ساتھ ساتھ اخلاقی احتساب امر بالمعروف نہی عن المنکر یعنی اسلامی معاشرہ کی نگرانی و رہنمائی، اس کو غلط راستہ پر چلنے سے روکنے، اور صحیح راستہ پر چلانے کے سلسلہ میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ذمہ داری میں شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان والے مردوں، ایمان والی عورتوں کو ایک متحدہ اور خیر و تقویٰ پر تعاون کرنے والے جماعت کی ایک محاذ (FRONT) کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، وہ فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ [۱]

ترجمہ: اے ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، نماز کی پابندی رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا، بیشک اللہ بڑا اختیار والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

انھیں تعلیمات کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے موجودہ زمانہ تک مشہور خواتین اسلام میں (جنھوں نے تاریخ میں نام پیدا کیا ہے اور جن کا تاریخ کی کتابوں میں ذکر آتا ہے) ماہر استانیاں، معلمات، تربیت کرنے والی، جہاد اور تیمارداری کرنے والی، مصنف، حافظ قرآن، حدیث کی راوی، بلکہ حدیث کا درس دینے والی، عابد و زاہد اور معاشرہ میں عزت و مرتبہ پر فائز خواتین کی بڑی تعداد نظر آتی ہے جن سے علمی فائدہ اٹھایا گیا، جن سے تربیت حاصل کی گئی، جو معیاری زندگی اور شخصیت کی حامل تھیں۔

وہ حقوق جو اسلام نے مسلمان عورتوں کو دیئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:- ملکیت و میراث کا حق (RIGHT OF (PROPIRTY خرید و فروخت کا حق، یہ میں عرض کردوں کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو دوسرے مذاہب میں، بعض بڑے وسیع و قدیم مذاہب میں اور بڑی بڑی تہذیبوں میں بالکل ناپید تھیں، یعنی کسی عورت یا کسی خاتون کو میراث کا حق نہیں تھا۔ بذات خود خرید و فروخت کا اس کو حق نہیں تھا۔ اسی طرح اسلام شوہر سے علیحدگی یعنی خلع کا حق اگر ضروری ہو منگنی ختم کرنے کا حق (اگر اس رشتہ سے لڑکی راضی نہ ہو) عیدین اور جمعہ و جماعت کی نمازوں میں شرکت کا حق، ان کے علاوہ حقوق دیتا ہے جن کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں متعدد انصاف پسند مغربی فضلاء، اور معاشرتی و تمدنی تاریخ کے ماہرین نے ان قرآنی و شرعی تعلیمات کی بلندی و برتری کا اعتراف کیا ہے، جو عورتوں کے احترام اور ان کے حقوق پر مشتمل ہیں، ہم یہاں دو تین شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

ان میں سے ایک شہادت ایک مغربی فاضلہ اسکالر اور ریفارمر کی ہے جو ہندوستان میں ایک تربیتی و اصلاحی تحریک کی قائد و رہنما اور جنوبی ہند کی ایک ثقافتی ادارہ تھیاسوفیکل سوسائٹی مدراس کی صدر رہی ہیں۔ میری مراد مسز اینی بسنٹ سے ہے، جنھوں ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی بڑا حصہ لیا تھا۔ کسی خاتون کی شہادت اس لئے بھی اہم اور قیمتی ہوتی ہے کہ وہ اپنے طبقہ کے معاملہ میں مرد کے مقابلہ میں زیادہ حساس (SENSITIVE) ہوتی ہے، اور اس کی طرف سے دفاع (DEFENCE) کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہے، مسز اینی بسنٹ کہتی ہیں۔

”ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ عورتوں کے متعلق اسلام کے قوانین ابھی حالیہ زمانہ تک انگلینڈ میں اپنائے جارہے تھے۔ یہ سب سے زیادہ منصفانہ قانون تھا جو دنیا میں پایا جاتا تھا۔ جائیداد، وراثت کے حقوق اور طلاق کے معاملات میں یہ مغرب سے کہیں آگے تھا، اور عورتوں کے حقوق کا محافظ تھا۔“

مسٹر (N.R. COULSEN) لکھتے ہیں:

”بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے معاملہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآن کے قوانین افضلیت کا مقام رکھتے ہیں۔ نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے، اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں، اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی، جو اسے پہلے حاصل نہ تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی جو تبدیلی کی ہے، وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے“[۲]

مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

”پیغمبر اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا جو اسے قدیم عرب میں حاصل تھا، خصوصی طور پر عورت متوفی شوہر کے ترکہ کا جانور نہیں رہی۔ جیسا کہ بعض مذاہب اور بعض قوانین میں مانا گیا ہے، بلکہ خود ترکہ پانے کی حقدار ہوگئی، اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا، طلاق کی حالت میں شوہر پر یہ واجب ہوگیا، کہ اسے وہ سب چیزیں دے دے جو اسے شادی کے وقت ملی تھیں، اس کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین علوم و شاعری سے دلچسپی لینے لگیں اور کچھ نے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا، طبقہ عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے اپنے خاوندوں کی خوشی اور غم میں شریک ہونے لگیں،

ماں کی عزت کی جانے لگی،،

یہ دین، عقائد و عبادات، تمدن و تہذیب اور معاشرت کے آداب و اصول اور خاندانی نظام پر حاوی ہے۔ یہ صرف محض عقائد یا عبادات کا مجموعہ نہیں ہے، کہ نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، پھر اور کوئی پابندی نہیں یہ پوری زندگی کی رہنمائی کرتا ہے، ہر دور میں مسلمانوں کو، مردوں اور عورتوں کو یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے نہیں، بلکہ زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنے اور اس کی رہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، ان کو اپنے دین پر فخر و ناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد و بھروسہ تھا، اپنی اخلاقی قدروں (MORAL VALUES) اور اپنے تمدن کو وہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو اللہ کے رسول لے کر تشریف لائے ہیں وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین ہی کا مجموعہ نہیں، وہ دین بھی ہے، اور تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ مسجد و محراب بھی ہے اور حکومت و ایوان بھی، وہ اس دین کو دوا بھی سمجھتے تھے صحت بخش غذا بھی سمجھتے ہیں، شفا بخش دوا بھی، آج کے بہت سے مسلمانوں کی طرح ان کا عقیدہ یہ نہ تھا کہ یہ تو صحیح ہے کہ اسلام بحیثیت مذہب سب سے اچھا مذہب اور وہی اللہ کا آخری اور مقبول دین ہے۔ اور اس مذہب کے علاوہ کسی مذہب میں نجات نہیں، اور یہی مذہب ابدی اور دائمی ہے، لیکن تمدن ایک دوسری چیز ہے، اس کا دین سے کیا تعلق؟ دین الگ شے ہے اور تمدن الگ شے، دین جدا، تہذیب جدا، اس لئے اگر ہم دوسری قوموں کی تقلید کریں اور قرآن و حدیث کے خلاف کوئی قانون اختیار کرلیں اور اس کو اپنائیں تو اس سے ہمارے دین و عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور یہ اس سے کوئی متضاد بات نہیں ہے، یہ بھی بڑے اطمینان کی بات ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد مسلمانوں میں بے چینی کی جو ہندوستان گیر بیداری اس موقع پر دینی حمیت و عزت اور اسلام سے وفاداری اور شریعت سے محبت کا اظہار محض ہماری سیدھی سادی اور کم تعلیم یافتہ بہنوں نے نہیں کیا ہے، اس میں صرف وہی خواتین پیش پیش نہیں جنھوں نے کوئی تعلیم نہیں پائی، کسی تہذیب سے ان کو واسطہ نہیں ہے، اور کسی ترقی یافتہ سوسائٹی میں انھوں نے زندگی نہیں گزاری، اطمینان کی بلکہ بڑے فخر کی بات ہے کہ اس تحریک کی قیادت ہمارے ملک کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ خاندانوں کی بیبیاں کررہی ہیں، اس سے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ جاہل مردوں کا جاہل عورتیں ساتھ دے رہی ہیں، خدا کا شکر ہے نہ اس تحریک کی قیادت جاہل مرد کررہے ہیں اور نہ جاہل عورتیں، دونوں طرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا بہت سے دوسرے ترقی پسند لوگوں اور پروگریسیو گروہ (PROGRESSIVE) سے زیادہ دیکھی ہے، جنھوں نے مغربی تہذیب کا مطالعہ ان سے زیادہ گہری نظر اور وسیع نظرے کیا ہے، وہ یورپ کی اور مشرق کی تاریخ پر ان سے زیادہ وسیع اور عمیق نظر رکھتے ہیں، ان کی کتابیں دوسرے ملکوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اور بہت جگہ نصاب میں داخل ہیں، ان کو بڑے بڑے سیمنارس میں بڑی بڑی علمی مجالس میں بڑے اصرار کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے، اور بڑی بڑی علمی تنظیموں کی صدارت سپرد کی جاتی ہے اور لیکچرس کے لئے بڑی بڑی یونیورسٹیاں دعوت دیتی ہیں، مردوں میں وہ لوگ ہیں اور عورتوں میں وہ خواتین ہیں جن سے زیادہ وسیع النظر اور ترقی یافتہ خواتین ملنی

[۱] توبہ - ۷۱

[۲] یہ ان کی اس کتاب کا اقتباس ہے جس کا نام (HISTORY OF ISLAMICE LAW) ہے جو ایڈنبرا سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

مشکل ہیں، میں اس موقع پر دو معزز خواتین اور اپنی دو محترم بہنوں کا ذکر کروں گا ان میں سے دہلی میں خواتین کی ۱۰ / اپریل ۱۹۸۶ء کی ریلی کی داعی اور اس کی تحریک کرنے والی اور قائد جناب عابدہ احمد صاحبہ ہیں اور دوسری نجمہ ہبت اللہ صاحبہ ہیں، جو راجیہ سبھا کی وائس چیرمین بھی رہی ہیں، اور اب کانگریس کی سکریٹری ہیں۔ اسی طرح بیگم خورشید عالم خاں اور متعدد اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اور بیگمات ہیں، جس کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک آواز لگائی گئی اور دیہاتوں اور غریب گھروں سے، بے پڑھے لکھے خاندانوں سے چند غیر تعلیم یافتہ عورتیں آگئیں جن کو کچھ خبر نہیں کہ مسئلہ کیا ہے؟ بات ایسی نہیں،

میں یہ بھی کہہ دوں کہ ہمارے یہاں اردو میں ایک مثل ہے ”مدعی سست گواہ چست“ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کا مقدمہ ہے وہ تو خاموش بیٹھا ہوا ہے اس کو کوئی اعتراض نہیں — لیکن کوئی صاحب رضاکارانہ طریقہ پر گواہ بن گئے، وہ بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں، اور جن کا مقدمہ ہے وہ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے، اس وقت صورت حال کچھ ایسی ہی ہے، اس موقع پر یہی منظر دیکھنے میں آرہا ہے کہ ”مدعی سست گواہ چست“، جن کا مسئلہ ہے جن کی زندگی، جن کے حقوق اور جن کے احساسات اور جذبات کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے یا اس کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے، وہ تو مطمئن ہیں، اور جن کا مسئلہ نہیں، وہ نہ صرف یہی نہیں کہ غیر مطمئن ہیں بلکہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں، انھوں نے سونے والے کی نیند حرام کردی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک پر آسمان پھٹ کر گرنے والا ہے، یہ ایک عجیب قسم کا معمہ اور پہیلی ہے آخر اس جوش و خروش اور احتجاج اور اس مظاہرے، اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ کرنے اور جلسے جلوس نکالنے کی وجہ کیا ہے؟ اگر یہ طبقہ نسواں سے ہمدردی کی وجہ سے ہے، یعنی بے چاری بے زبان عورتوں کے حقوق متاثر ہورہے ہیں، ان پر ظلم ہو رہا ہے تو میں کہوں گا کہ پھر پہلے اپنی ہندوستانی سماج کی خبر لیجئے نئی بیاہی ہوئی عورتیں آپ سب کو معلوم ہے کہ جلائی جارہی ہیں، اور جیسا کہ نیشنل پریس نے ایک خبر رپورٹ دی تھی کہ ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی میں ہر ۱۲ گھنٹے میں ایک واقعہ ضرور پیش آجاتا ہے۔

جہیز کی لعنت نے خاندان کے خاندان تباہ کر رکھے ہیں، اور لاکھوں کی زندگیاں تلخ نہیں بلکہ ان کو عذاب بنادیا ہے، پیسہ کی حص سے بڑھی ہوئی ہوس ایک بخار کی طرح نہیں بلکہ بھوت کی طرح سوسائٹی پر چڑھی ہوئی ہے، اور ہر چیز کو ہر قدر و قیمت کو، ہر اخلاقی خوبی کو، ہر انسان کو، انسانیت کو اسی سے تولا جارہا ہے جس سوسائٹی میں، جس معاشرہ میں ایسی مکروہ لعنت ہو، ایسا اندھیر مچا ہوا ہو، ہمیں آگ لگی ہو، ظلم کا ایک دریا موجزن ہو اس میں کیا اس کی فرصت مل سکتی ہے اور کیا اس کا کوئی جواز (JUSTIFICATION) ہے، کہ ایک ایسے مسئلہ میں مطلقہ کے حقوق کے تحفظ کے زیر بحث بل کی مخالفت میں جو پارلیمنٹ میں پیش ہوچکا ہے، جس کا تعلق ایک خاص مذہب کے ماننے والوں کے پورے طبقہ نسواں سے بھی نہیں ہے، طبقہ نسواں کی ان چند ہستیوں سے ہے جن کو شرعی طریقہ پر اپنے مذہب کے مطابق طلاق دے دی گئی ہے، ان کا مسئلہ ہے کہ اب ان کی دیکھ بھال کون کرے، یہ کس کی ذمہ داری ہے، تو اگر اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ پورے ملک میں بہت تھوڑی تعداد ان عورتوں کی ہے جن کو اس کا سامنا کرنا پڑرہا ہے، اور اس کے مقابلہ میں صرف مسلمان نہیں، صرف ایک مذہب کے ماننے والے نہیں، ایک کمیونٹی نہیں، پورے ملک کے طبقہ نسواں، پورے ملک کی عورتوں پر جو کچھ گذر رہی ہے ان کے ساتھ جو ناانصافیاں ہورہی ہیں، ایک خوشگوار، شریفانہ اور قانونی اور باعزت زندگی گذارنے کے لئے جو جو شرطیں لگائی جارہی ہیں، جس طرح ان کے بھاؤ تاؤ کئے جارہے ہیں، اور جس طرح دولت کو عزت پر، انسانیت پر، شرافت پر، عصمت پر، اور یہاں تک کہ اخلاقی خوبیوں، اور سیرت و صورت تک پر ترجیح دی جارہی ہے، یہ کوئی چھپا ڈھکا واقعہ نہیں، سب جانتے ہیں تو ایسی حالت میں اس مسئلہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنالینا اور اسی پر اپنی ساری توانائیں لکھنے پڑھنے کی پوری طاقت اور سیاسی جماعتوں کے اثرات کو لگادینا، یہ ملک کے ساتھ، طبقہ نسواں کے ساتھ، بلکہ انسانیت کے ساتھ کون سا اچھا سلوک ہے، اور اس کا کیا جواز ہے؟

میں اپنی عزیز بہنوں اور معزز خواتین سے کچھ اور کہنا چاہتا ہوں، شاید پھر کبھی ایسا موقع نہ ملے، ادب کے ساتھ، خلوص کے ساتھ، مگر صفائی کے ساتھ عرض کروں گا کہ آپ کو خود بھی اسلام کی پوری تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، آپ کا فرض ہے کہ محبت، خدمت، اخلاق، تعاون و ایثار، سادگی و ہمدردی سے گھر کو جنت کا نمونہ بنادیں، ایسا جنت کا نمونہ بنادیں کہ اس زندگی میں واقعی جنت کا مزا آنے لگے، اور لوگ اس کو رشک کی نگاہوں سے دیکھیں، دوسرے کمیونٹیز کے لوگ اور دوسری سوسائٹیز کی بیبیاں اور وہاں کے مرد اس کو دیکھیں تو کہیں کہ گھر کی زندگی کا، ازدواجی زندگی کا مزہ تو اسی معاشرہ میں اسی خاندان میں معلوم ہوتا ہے، خود مذہب کی پابندی اختیار کیجئے، دینی کتابوں کا مطالعہ کیجئے، بچوں بچیوں کو دینی تعلیم دیجئے، ان کے دل میں اللہ، رسول، اچھی باتوں اور اچھے اخلاق کی محبت اور شوق پیدا کیجئے، اچھے انسانوں، مثالی و معیاری مردوں اور عورتوں کے قصے سنائیے، توحید اور محبت رسول کا بیج بچوں اور بچیوں کے دلوں کی نرم زمین میں شروع سے یعنی بچپن سے ڈال دیجئے اور پھر اس بیج کو سیراب کیجئے اور بار آور بنائیے کہ وہ پھلیں پھولیں، بیٹے اور بیٹیاں پیسہ اور عزت ہی کو سب کچھ نہ سمجھیں، ان کو بتائیے کہ اس سے بہت آگے اور اس سے بہت اوپر کچھ اخلاقی قدریں کچھ زندگی کے معیار، اور کچھ مقاصد ہیں، جن کو اپنانا چاہئے، جن پر اپنی ذہانت اپنی طاقت، اپنی محنت، اور اللہ کی دی ہوئی توانائی صرف کرنی چاہئے۔

بیٹیو اور بہنو! میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ میں اور اس موقع پر اسلام کی محبت اور شریعت کے تحفظ کے جذبہ اور دینی حمیت و غیرت کا مظاہرہ کیا اور اس کا ثبوت دیا اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا بہت پسند آئے گی اور آپ سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، کہ آپ کے اس جذبہ میں جو روح

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

بابری مسجد کی بازیابی کیلئے پرامن جدوجہد کی شدید ضرورت

— جناب مولانا وحید الزماں صاحب معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کا بیان —

ہندوستان ایک وسیع و عریض ملک ہے، جہاں مختلف مذاہب و افکار کے لوگ بستے ہیں، اتنے بڑے ملک میں نت نئے اختلافی مسائل کا پیدا ہونا غیر فطری نہیں ہے۔ لیکن اختلاف کو فتنہ و فساد کی انتہا تک پہنچانا نہ صرف یہ کہ وہ ملک کے وقار اور اس کی سالمیت کے خلاف ہے بلکہ باشندگان ہند کے مختلف طبقات خاص طور پر اقلیتوں کیلئے باعث تشویش بھی ہے۔ اس ملک میں جہاں صاف ذہن اور کھلے دل و دماغ کے لوگ آباد ہیں شر پسند عناصر کی بھی کمی نہیں۔ اس لئے تمام انصاف پسند اور سنجیدہ لوگوں کو ان شر پسندوں کی ہر تحریک کا پرامن طور پر مقابلہ کرتے ہوئے تمام مسائل کا حل نکالنا ضروری ہے۔

موجودہ وقت میں ہندوستان کی اہم اور سب بڑی اقلیت مسلمانوں کے دو اہم مسئلے انتہائی نزاکت اختیار کرچکے ہیں۔ ایک مطلقہ عورت کا نفقہ اور دوسرا بابری مسجد پر ناجائز قبضہ۔

بلاشبہ مسلمان ہر چیز برداشت کرسکتے ہیں لیکن وہ کسی قیمت پر اپنے مذہبی قوانین کی پامالی اور شعائر اسلام کی بے حرمتی برداشت نہیں کرسکتے ——— خوشی کی بات ہے کہ ان دونوں مسئلوں کے حل کیلئے ہندوستان کے مخلص علماء و زعماء ملت نے سرتوڑ مخلصانہ جدوجہد کی ہے اور قابل اطمینان بات یہ ہے کہ ہمارے زیرک اور جواں ہمت وزیراعظم نے بھی ان مسائل کو زبردست اہمیت دے کر اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ وہ واقعتاً اس ملک کی اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کا درد محسوس کرتے ہیں، اور ان کے مسائل کا جائز حل نکالنے میں کوشاں ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند و صدر مسلم پرسنل لا بورڈ و حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند و جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ نے وزیراعظم سے خصوصی ملاقاتیں کرکے ان مسائل کو جس سلیقہ اور تدبیر سے سمجھایا اور ان کا حل تلاش کیا ہے اس پر وہ قابل مبارکباد ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمانان ہند ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی اور وزیراعظم کی مکمل حمایت کریں۔ اور جس طرح مطلقہ عورت کے نفقہ سے متعلق بل کا قابل قبول مسودہ تیار کرلیا گیا ہے، اور جو انشاء اللہ تعالیٰ پارلیمنٹ میں منظور بھی ہوجائے گا اسی طرح بابری مسجد کی بازیابی کے لئے سنجیدگی کے ساتھ پرامن جدوجہد کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے کسی غیر دانشمندانہ اقدام سے یا ہماری غفلت سے فرقہ پرست عناصر کو حوصلہ مل جائے یا ملک کے سکون کو درہم برہم کردیں۔ اس لئے مسلمان متحد ہوکر پرامن جدوجہد میں مصروف رہیں اور ایسے نام نہاد رہنماؤں سے ہوشیار رہیں جن کی عادت ہر اہم اتحاد کے وقت اپنی انفرادیت سے ملت کو نقصان پہنچانے کی ہے۔

بلاد اسلام میں اسلام کی اجنبیت اور بیرونی نظریات کا تسلط

مولانا سید محمد رابع ندوی — مترجم: معتیق الرحمٰن

ہم سب کی آرزو ہے کہ اسلام کی عظمت رفتہ لوٹ آئے۔ نیز امتِ اسلامیہ کے گذشتہ شان وشوکت کی بازیابی ہو، اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہ ہوگی کہ مسلمان اس عظیم مقصد کے حصول کیلئے کوئی موثر اقدام کریں۔ اور اس کے لئے لمبی مسافت طے کریں۔ ہمارے خیال میں اس مہم کو سر کرنا، کوئی دشوار امر نہیں ہے۔ بشرطیکہ مسلمان سچے دل سے اس کا تہیہ کرلیں۔ لیکن ہماری موجودہ صورتِ حال افسوسناک ہے۔ اس لئے کہ ہم آرزوں اور تمناؤں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ہماری طرف کسی جد وجہد، جانفشانی اور سچے عزم کے بغیر دشمن خود سپر انداز ہوکر ہمارے لئے میدان خالی کردے۔

جبکہ اس کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ ہم اسلام کے سچے وفادار ہوں، کسی دوسرے اصول وضابطے کو اس کا نعم البدل نہ سمجھیں اور نہ کسی پیغام کو اس کے مساوی قرار دیں، تاکہ ہم اپنے عمل سے مخلص اور سچے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں اور اسلام کے حقیقی پیرو ہونے کا دعویٰ کر دکھائیں، تو کیا آج ہمارا طرزِ عمل اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ کیا اسلام کو اپنے فرزندوں سے وہی محبت و وفاداری حاصل ہے جو ایک باپ کو اپنے لائق بیٹوں سے حاصل ہوتی ہے، کیا اسلام کی کسی حق تلفی سے ہم میں خفگی و برہمی پیدا ہوتی ہے، کیا ہم اس کے ساتھ کسی ناروا سلوک پر اس کی مدافعت کے لئے کمربستہ ہوتے ہیں۔ کیا اسلام کی رسوائی میں ہمیں اپنی ہتک کا احساس ہوتا ہے۔ اگر ہم میں کچھ لوگ اس درجے کے اسلام دوست اور وفادار ہیں بھی تو مسلمانوں کی کثیر تعداد سے ان کا کیا تناسب ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہم اسلام کی بالادستی اور امت اسلامیہ کی شان وشوکت کی بازیابی کے اسباب وشرائط سے بے بہرہ ہیں، کیا ایسی حالت میں جب کہ اسلام بے بسی اور کس مپرسی کے عالم میں ہے اور اس کے پیروکار اس کی عظمت وتقدس کی حفاظت سے کنارہ کش ہیں، نیز اس کی راہ میں جد وجہد اور اپنے اسلاف کی طرح جاں نثاری اور وفاداری کا عملی نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم سربلندی اور سرفرازی سے ہم کنار ہوسکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اسلاف نے اسلام کی صدا پر لبیک کہنے کے بعد اس سے اپنی محبت و وارفتگی کا پورا ثبوت دیا۔ اور اسلام کو اپنا دین ومذہب تسلیم کرلینے کے بعد اس کی حفاظت میں جان ومال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جس سے صرف اسلام ہی کا بول بالا نہ ہوا۔ بلکہ مسلمانوں کو بھی سربلندی حاصل ہوئی اور تنہا اسلام ہی کو قوت بہم نہ پہونچی بلکہ اس کے متبعین کو بھی غلبۂ واقتدار حاصل ہوا۔ بلاشبہ ہمارے اسلاف کی اقبال مندی جس پر ہمیں ناز ہے وہ ان کی اسلام سے سچی عقیدت مندی اور حقیقی وابستگی کا نتیجہ تھی، کاش! اگر آج ہم بھی انھیں کے نقش قدم پر چلتے۔

کیا آپ نے کسی روسی باشندے کے بارے میں سنا ہے کہ وہ کمیونزم کی مذمت کرنے کے باوجود پرامن اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتا ہے؟ کیا کبھی آپ نے سنا ہے کہ کسی جمہوری یا غیر جمہوری ملک کا باشندہ اپنے ملک وتقدس کو پامال کرنے کے باوجود معزز اور مطمئن ہے؟ یا کسی جمہوری حکومت کا فرد دستور کی توہین کا مرتکب ہو اور سزا سے محفوظ ہے؟

لیکن اسلام جس کے پاس ایک طاقتور امت ہے اور دسیوں حکومتیں ہیں اور اسے ایک جمہوری طاقت حاصل ہے، اس کی عزت وناموس کا احترام اور اس کی پاسبانی کرنے والا کوئی نہیں، ہر کس وناکس اس کے اقتدار اور روایات کو پامال کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے اور ہر شخص اس کی دعوت وپیغام کو اپنی لن ترانیوں کا نشانہ بنانے کی جرأت کرتا ہے، چنانچہ نام نہاد مسلمان اس میں نہ اپنے لئے کوئی عار محسوس کرتے ہیں اور نہ اسلام کی کوئی ہتک سمجھتے ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی ہم اسلام کی سچی پیروی کے دعویدار ہیں؟ کیا اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ ہم میں سے اکثر پیرو اسلام اسلام دوستی اور وفاداری کا ڈھونگ رچاکر خود غرضی کا شکار ہیں اور بغیر کسی کد وکاوش کے امت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے خواہش مند ہیں۔

مسلم خواتین تحفظ بل کی مخالفت کیوں؟ کیا غیر مسلم عورتیں استحصال کا شکار نہیں

ڈاکٹر رمیش پرشاد گرگ آتش

مسلم خواتین تحفظ بل ۱۹۸۶ جب سے پارلیمنٹ میں پیش ہوا ہے آر ایس، ایس، جن سنگھ، بھارتیہ جنتا پارٹی، مارکسی کمیونسٹ، ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی اور ان سے متاثر کچھ کانگریسی ممبران اور رہنماؤں نے اس کی مخالفت میں زمین اور آسمان ایک کردیا ہے۔ عارف محمد خان نے تو وزارت کے عہدہ تک سے استعفیٰ دے دیا۔ خواجہ احمد عباس، کیفی اعظمی، شبانہ اعظمی، مہرالنساء دلوائی، مختار عباس نقوی، شرف الدین چودھری نے اسے عورتوں کے ساتھ ظلم سے تعبیر کیا۔ جبکہ یہ بل پوری طرح شریعت کے اصولوں کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے اس سے مسلم خواتین کو پورا تحفظ حاصل ہوگا۔ طلاق کے بعد انھیں در وازہ در وازہ بھٹکنا نہ ہوگا۔ ان کی کفالت ان کے والدین اور قریبی اعزہ کریں گے اور جس عورت کا کوئی نگراں نہ ہوگا اس کو مسلم اوقاف بورڈ کے ذریعہ گزارا بھتہ دیا جائے گا۔ اسلامی مملکت میں بیت المال سے یہ امداد ملتی ہے وہی کام وقف بورڈ کو سپرد کیا جارہا ہے۔ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ نے مطلقہ عورت کو اس کے سابق شوہر سے تا نکاح ثانی نان ونفقہ دلایا ہے۔ جو اسلامی شریعت کے خلاف ہے اور اسی وجہ سے مسلمان ناراض ہیں۔ مسلم خواتین تحفظ بل پاس ہوجانے سے سپریم کورٹ کا فیصلہ خود بخود رد ہوجائے گا۔ طلاق کے بعد عورت اپنے سابق شوہر سے صرف تین ماہ تیرہ روز تک ہی نان نفقہ پانے کی حق دار رہے گی۔ ہر سمجھدار شخص کو بلا تفریق مذہب وملت اس بل کی حمایت کرنی چاہئے یہ نہ تو کسی مذہب کے خلاف ہے اور نہ ہی اس سے کسی طبقہ کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے اس بل کی مخالفت کرنے والے یا تو نا سمجھ ہیں یا تو پھر جان بوجھ کر اسلام دشمنی میں ایسا کر رہے ہیں۔ "مانو سنسکرتی اور دھرم" نامی اپنی ہندی تصنیف کے سلسلے میں میں نے دنیا کے تمام بڑے مذاہب کے بنیادی اصولوں اور ان کی خوبیوں کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے ہیں۔ بیواؤں کو شادی کی اجازت، شادی کے وقت لڑکی کی رضامندی کو اولیت دی نیز اس کا مہر مقرر کیا، لڑکی کو زندہ دفن کئے جانے اور شوہر کی وفات کے بعد اسے زندہ جلائے جانے کو بری بات قرار دیا۔ ایک سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی اجازت بھی عورتوں کی کفالت اور ان کے وقار کو بلند کرنے کی غرض سے ہی دی گئی ہے۔ طلاق کو اسلام نے اچھی چیز نہیں کہا ہے لیکن اس کی اجازت صرف اس لئے دی گئی ہے کہ اگر زن وشوہر کے تعلقات اتنے خراب ہوجائیں کہ دونوں کا ایک ساتھ رہنا ممکن نہ ہو تو شوہر یا بیوی مجرمانہ حرکتیں کرنے پر مجبور نہ ہوں جیسا کہ آج ملک میں دیکھنے کو مل رہا ہے۔ جن مذاہب میں طلاق یا ایک سے زائد بیوی رکھنے کی اجازت نہیں ہے وہاں ناجائز بیویوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے عورتوں کو آئے دن جلاکر یا مختلف قسم کی ترکیب نکال کر ہلاک کیا جارہا ہے۔

جو لوگ آج مسلمان عورتوں کے تحفظ کے لئے گھڑیالی آنسو بہا رہے ہیں کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ غیر مسلم عورتیں مسلم عورتوں سے بہتر حالت میں ہیں۔ کیا ان کا استحصال نہیں ہو رہا ہے کروڑوں غیر مسلم خواتین اس ملک میں ایسی ہیں جن کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا اور تن ڈھانکنے کو کپڑا میسر نہیں ہو رہا ہے۔ کتنی بھیک مانگنے اور جسم فروشی کرنے و بندھوا مزدور بن کر زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ کتنی عورتیں جہیز کے حریصوں کے ہاتھوں جلا کر ماری جارہی ہیں۔ ان کی حالت سدھارنے کے لئے نہ تو آر ایس ایس والے بولتے ہیں نہ جن سنگھ اور ہندو مہاسبھا کے لوگ۔ انھیں ہمدردی ہے تو صرف مسلم عورتوں سے۔ گویا غیر مسلم عورتیں انسان ہی نہیں ہیں۔ عارف محمد، خواجہ احمد عباس، مختار عباس نقوی، شیریں پروین، مہرالنساء دلوائی، کیفی اعظمی وغیرہ ان کی بہتری کے لئے کیوں نہیں تحریک چلاتے۔ شراب، چرس، ہیروئن، عریاں اور فحش فلموں، گندے ادب، مغربی فیشن اور تہذیب جن سے ہماری نئی نسل تباہی کی جانب مائل ہو رہی ہے ان برائیوں کو روکنے کے لئے کیوں نہیں آواز بلند کرتے۔

حکمراں اور مخالف جماعتوں کے ممبروں سے گذارش ہے کہ وہ مسلم خواتین تحفظ بل کو سیاسی رنگ نہ دیں اس کو جس قدر جلد پاس کیا جائے اتنا ہی یہ ملک کے مفاد میں بہتر ہوگا۔

سیکولرزم کا نیا مفہوم

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی - ترجمہ: محمد احسان ندوی

مغربی مفکرین نے ایک بڑا مغالطہ یہ پیدا کردیا ہے کہ یہ عہد سیکولرزم کا عہد ہے دین کا اثر ورسوخ ختم ہوچکا ہے، دین ایک شخصی مسئلہ ہے، دین کا معاشرتی زندگی اور ملکی اور عالمی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک دوسری قوموں کے ساتھ آزاد تبادلہ کی بنیاد پر معاملہ کرتے ہیں۔ علمی تجربات ومعلومات کا تبادلہ عقیدہ اور نظریاتی مفاد سے بلند ہوکر کرتے ہیں۔ مسلم دانشوروں نے اس دعوے کو بغیر مطالعہ اور حالات کا جائزہ لئے بغیر قبول کرلیا اور بڑے خلوص سے اپنے سماج اور ملک پر اسکو نافذ کرنے کی کوشش کی، اس لئے کہ مغربی تعلیم کے دارس میں اور خاص طور سے ان تعلیم گاہوں میں جہاں اونچے گھرانے کے مسلمان بچے پڑھتے ہیں، اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ سے لے کر پرائمری اسکول کے ٹیچر تک ہر ایک نے ان افکار ونظریات کو عام کرنے میں اپنے سارے وسائل جھونک دیئے تھے، اس سیکولر نظریہ کے عام ہونے سے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ایک خطرناک رجحان یہ پیدا ہوگیا کہ ان کی غیر مسلموں سے راہ ورسم بڑھ گئی اور اپنے سماج سے تعلق کمزور ہوگیا، وہ ان کی پوری طرح نقالی کرنے لگے، ثقافتی اقدار اور دینی فرائض سے بیگانہ ہوگئے، مسلم عوام سے کٹ گئے اور ان کے ذہن اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے۔ اور انھوں نے خود اپنے دین سے وابستگی کو ترقی اور تہذیب کے خلاف سمجھنا شروع کردیا۔ ان میں یہ تصور عام ہوگیا کہ دین سے وابستگی نئی تہذیب کے خلاف ہے، لیکن اس کے برخلاف ترقی یافتہ ممالک جنھوں نے مسلمانوں کو یہ سبق پڑھایا، خود اپنے کو دین سے الگ نہ کرسکے ان کی دین سے وابستگی اور اپنی قومی تہذیب سے دلچسپی کسی پر مخفی نہیں ہے، جن ملکوں کے مسلم ممالک سے ثقافتی تعلقات ہیں اور جن سے زندگی کے مختلف میدانوں میں بڑے پیمانہ پر لین دین ہوتا ہے اور جن ترقی یافتہ ممالک پر ترقی پذیر اسلامی ممالک اعتماد کرتے ہیں ان ملکوں کے قائدین، صحافی اور اہل قلم مسلم ممالک، مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں نفرت اور امتیازی تصور سے پاک نہیں ہیں، وہاں کی صحافت، خبر رسانی کے دوسرے وسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل، خبر رساں ایجنسیاں یہاں تک کہ انسانی خدمت انجام دینے والے رفاہی ادارے بھی دین وعقیدہ کی بنیاد پر تفریق پیدا کرنے کے کسی موقع کو ضائع نہیں کرتے ہیں۔

افریقہ کے قحط زدہ لوگوں کی امداد میں کھلی ہوئی جانبداری دیکھنے میں آئی، ساری غیر مسلم ریلیف ایجنسیاں کسی آفت یا حادثہ کے وقت دین کی بنیاد پر تفریق کرتی ہیں۔ ریڈ کراس سوسائٹی بھی اس امتیازی سلوک سے محفوظ نہیں ہے۔ یہ خدمت کرتے وقت عیسائی بنانے کا جذبہ رکھتی ہیں۔ یا کم از کم اسلام سے دور کرکے اسلامی معاشرہ سے کاٹ دینے کی خواہش، اسی طرح امریکہ، فرانس اور برطانیہ اسلامی ممالک میں رہنے والے عیسائیوں کی سلامتی وحفاظت کے لئے کھل کر ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مصر وسوڈان میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے مطالبہ پر مغربی ممالک نے جو اپنے کو سیکولر کہتے ہیں عیسائیوں کی کھل کر وکالت کی اور مسلم حکومتوں کو اس سے روکنے کی کوشش کی، مغربی ممالک کی ایک بڑی خواہش یہ رہی ہے کہ اسلامی ممالک زندگی کے میدان میں خود کفیل نہ ہونے پائیں اور وہاں کے حالات میں سدھار نہ پیدا ہو، وہ ہمیشہ انتشار پھیلانے والی تحریکوں، اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پیدا کرنے والی جماعتوں کی مدد کرتے ہیں اور اسلامی عقیدہ کی غلط ترجمانی کرنے والوں کی پشت پناہی کرتے ہیں تعمیری ذہن اور صحیح جذبہ رکھنے والے قائدین اور مفکرین کے خلاف سازش کرتے ہیں، اور کردار کشی کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اقتدار تک ایسے لوگ پہنچیں جن کے ذہن قوم اور مذہب کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہوں۔ اور وہ غیر اسلامی تصورات رکھتے ہوں، یہ ترقی یافتہ ممالک کبھی یہ گوارا نہیں کرتے کہ اسلامی ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہوں اور وہاں کے باشندے اس سے فیضیاب ہوں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ انتشار پسند تحریکیں ملک کے بنانے، سنوارنے اور اپنے عوام سے رابطہ بڑھانے کے بجائے مغربی آقاؤں کی خوشنودی اور ان کے مقاصد کی تکمیل میں مشغول رہتی ہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں اور خاص طور سے مسلم ملکوں میں عیسائی مشنری کا کام پھیلا ہوا ہے، بعض مسلم ملکوں میں ان کے ریڈیو اسٹیشن، ہوائی اڈے، اسپتال اور رفاہی ادارے ہیں جن کی سرپرستی مغربی ممالک کرتے ہیں لیکن اس ملک میں کوئی اسلامی ادارہ قائم ہو تو یہ ممالک فکرمند ہوجاتے ہیں اس سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ سیاست کو دین سے الگ کرنے کا نعرہ یک طرفہ ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے کوئی بھی مغربی ملک یا غیر اسلامی ملک چاہے جتنی ترقی کرگیا ہو دینی نسبت سے خالی نہیں ہے۔ کئی مغربی ممالک مشنری سرگرمیوں پر بے تحاشا خرچ کرتے ہیں اور عیسائی پادری کا حکومت پر کنٹرول ہے۔ اسلامی ممالک میں رہنے والے عیسائیوں کے مسائل سے غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں۔ اسلامی بیداری کا مقابلہ کرنے کے لئے تدبیریں اختیار کرتے ہیں۔ اسلامی تحریکوں کی سرگرمیوں کے خاتمہ کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور اسلامی ممالک میں شرعی قوانین کے نفاذ کی مخالفت کرتے ہیں یہ وہ حقائق ہیں جو ان ممالک کی دین سے وابستگی پر ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں، اسلام کے سلسلہ میں یہ جانبدارانہ رویہ صرف ترقی یافتہ ممالک ہی کا شعار نہیں ہے، ان کو تو اس راہ پر صلیبی جنگوں کی یاد دلانے، اسلامی فتوحات سے پہونچنے والے نقصانات نے اور ان فوجی شکستوں نے ڈالا ہے جن سے وہ اپنے سیاسی حربوں اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے بعد نکل سکے۔ وہ اسلام سے خوف زدہ ہونے میں معذور بھی قرار دیئے جاسکتے ہیں اس لئے کہ اسلام ایک ناقابل تسخیر قوت تھا اور ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ عالم اسلام پر یورپ کی برتری فوجی برتری کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ دجل وفریب کی سیاست نے یورپ کو اس منزل تک پہنچایا ہے، مسلمان مغربی تہذیب کی چمک دمک سے مرعوب ہونے کے باوجود آج بھی وہ جذباتی قوت رکھتا ہے جو حقائق وقیاسات اور جنگی نقشوں کو زیر وزبر کرسکتا ہے لہذا یورپ کی سیاست میں تعصب کا عمل دخل ہونا کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے، لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ یہ جانبدارانہ رویہ ایشیا اور افریقہ کے بعض ایسے ممالک کا جز بن گیا ہے۔ جہاں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ وہ اس تعصب کا شکار ہیں اور اسلام سے اپنی نسبت کی قیمت چکا رہے ہیں اور قربانیاں دے رہے ہیں، یہ امتیازی سلوک صرف عملی مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر طرح کے مسلمان اس کا نشانہ بنتے ہیں، تعصب کا شکار ہونے کے لئے اسلامی نام کا ہونا کافی ہے اگرچہ خود مسلمان اسلام پر عمل نہ کرتے ہوں، اور اپنے آپ کو سب سے بڑا سیکولر ثابت کرتے ہوں ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ قومی دھارے میں شامل ہوں، ان کے اسلامی نام ناگوار ہوتے ہیں، ان کی زبان اور تہذیب کھلتی ہے ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی معاشرتی عادات واطوار ترک کردیں اور ان کے اندر کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو ان کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتی ہو۔ یہاں تک کہ شادی، طلاق، اور وراثت میں اسلام کی پابندی کو ملک کے مفاد کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اکثر ترقی پذیر ممالک میں مسلمانوں کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے جارہے ہیں وہ اس حاسدانہ ذہنیت کی غمازی کرتے ہیں۔ جس کی بنیاد دین پر ہے ان ممالک کو اپنے تعمیری پروگراموں سے اپنے مسائل کو حل کرنے سے، معیشت کے معیار کو بلند کرنے سے، ایڈمنسٹریشن میں پھیلے ہوئے فساد بڑھتی ہوئی جہالت اور سماجی ظلم کو روکنے سے اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی اقلیتوں کو اکثریت کے دین اور ثقافتی رنگ میں رنگنے سے ہے، انھوں نے علیحدگی اور تشدد پسند، امن وامان اور نظم ونسق کو درہم برہم کرنے والی تحریکوں کو چھوٹ دے رکھی ہے اور مسلمانوں کے ذہن کی نئی تشکیل کرکے اکثریتی فرقہ کے افکار وخیالات کے مطابق ڈھالنے کے مسئلہ کو سرفہرست رکھا ہے، گویا یہ عمل ہی تہذیبی وثقافتی ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کا پہلا قدم ہے۔

بلغاریہ، برما، یوگوسلاویہ، البانیہ اور دوسرے بہت سے کمیونسٹ ممالک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کوئی اس سے الگ واقعہ نہیں ہے بلکہ وہ عالمی سیاست کا ایک جز ہے، بس فرق یہ ہے کہ بعض ممالک کھلم کھلا یہ موقف اختیار کرتے ہیں اور بعض دوسرے ممالک خاموشی کے ساتھ کسی

(بقیہ صفحہ ۹)

جناب صباح الدین عبدالرحمن صاحب

بابری مسجد

ان تاریخی حقائق کو کیونکر چھپایا جا سکتا ہے

اجودھیا کی بابری مسجد کا تالا جب سے کھولا گیا ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں میں جابجا خوں ریز کشیدگی پیدا ہو گئی ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد قومی یکجہتی اور متحدہ قومیت کا جو سبق پڑھایا گیا تھا، وہ بالکل بھلا دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اگر ہندوستان کی کسی یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کا کوئی استاد یہ ثابت کر دے کہ بابری مسجد رام جنم بھومی مندر کو توڑ کر بنائی گئی تو ہم مسلمانوں سے اپیل کریں گے کہ وہ اجودھیا جا کر اسکو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر دیں، کیونکہ کسی غاصبانہ قبضہ والی زمین پر مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا مسلمانوں کے لئے مذہبًا ناجائز ہے، بنو امیہ کے زمانہ میں ولید بن عبدالملک نے دمشق میں ایک شاندار مسجد بنانے کا ارادہ ظاہر کیا، اس کے لئے زمین کی کمی پڑی تو اس نے پڑوس کے ایک گرجے کی زمین عیسائیوں سے مانگی، انہوں نے یہ کہکر زمین دینے سے انکار کیا کہ خوشی سے تو نہیں دے سکتے، زبردستی سے لی گئی تو لینے والے کو کوڑھ ہو جائے گا، ولید کو غصہ آگیا اور یہ کہکر زمین لے لی کہ دیکھیں کیسے کوڑھ ہوتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو عیسائیوں نے ان سے شکایت کی، حضرت عمر بن عبدالعزیز خلفائے راشدین کے اسوۂ حسنہ پر چلتے تھے انہوں نے حکم دیا کہ مسجد کا وہ حصہ جو گرجے کی زمین پر تعمیر ہوا ہے فورًا منہدم کر دیا جائے اور سرکاری خرچ سے گرجے کی تعمیر ازسرنو ہو۔ (خطبات شبلی۔ ص ۷۵۔ ۷۶)

اگر ہندو مؤرخین مستند اور معاصر تاریخوں سے یہ ثابت کر دیں کہ یہ مسجد رام جنم بھومی مندر کی جگہ پر بنائی گئی ہے تو مسلمان وہی مثال پیش کرنے کے لئے تیار رہیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پیش کی تھی، مگر مسلمان غلط قسم کی تاریخی تحقیقات، دوراز کار قیاس، گمراہ کن معلومات، حکومت کے بے جا فیصلے، اعصابی جنگ، اخبارات کے پروپیگنڈے سے مطمئن مرعوب اور مغلوب نہیں ہو سکتے، غور کرنے کی ضرورت ہے کہ بابری مسجد کو بنے ہوئے چار سو تراسی برس گزر گئے، اس جگہ پر اسکے قائم رہنے کی وجہ سے کیا ہندو مذہب کے فروغ میں رکاوٹ پیدا ہوتی رہی یا ۱۹۴۹ء میں جب اسمیں تالا لگا دیا گیا تھا تو اس وقت سے اب تک اس تالا بندی سے ملک کی قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی میں ترقی نہ ہو سکی کیا اس کا تالا کھولنے سے ملکی مفاد اور قومی بہاؤ میں رخنہ نہیں پڑا۔

یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ اور گنجلک نہیں تھا جتنا کہ اب اسکو بنا دیا گیا ہے، خود وطن دوست ہندو اس پر سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، کہاں تک صحیح ہے، دہلی کے ڈاکٹر آر، ایل شکلا نے اپنے ایک مضمون میں ایسی باتوں کا انکشاف کیا ہے جس سے رامائن اور رام دونوں کی حیثیت مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں: "رامائن میں شروع میں صرف چھ ہزار اشلوک تھے، پھر بارہ ہزار اور آخر میں چوبیس ہزار ہو گئے، یہ آج تک پتہ نہیں چلایا جا سکا ہے کہ کن کن لوگوں کی طرف سے یہ اضافے ہوتے گئے، پھر اشلوک نے ان اضافوں سے تاریخ مرتب کرنا ممکن نہیں، رام چندر جی کا دور مہابھارت سے بہت پہلے اور حضرت عیسیٰؑ سے ڈھائی ہزار سال پہلے بتایا جاتا ہے، مہابھارت کی لڑائی حضرت عیسیٰؑ سے ایک ہزار سال پہلے ہوئی، پھر رامائن میں جن جگہوں کا ذکر ہے وہاں انسانی آبادی کا نشان ملنا چاہئے اسکی تلاش میں اترپردیش میں تین جگہوں پر کھدائی ہوئی، فیض آباد ضلع میں اجودھیا، پھر الہ آباد سے ۳۵ کلومیٹر اتر کی طرف شرنگویر پور اور پھر الہ آباد شہر میں بھاردواج آشرم میں ہوئی، آج سے تقریبًا پچیس سال قبل وہاں جو کھدائی ہوئی اس سے وہاں انسانی آبادی کے نشان حضرت عیسیٰؑ سے چھ سو سال سے اوپر کے زمانہ کے نہیں ملے، پھر دس سال پہلے وہاں جو کھدائی ہوئی تو حضرت عیسیٰؑ سے سات سو سال پہلے کے کچھ نشانات ملے، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ یہی اجودھیا رام کا شہر ہے اور یہیں ان کی جنم بھومی ہے تو رام کا ڈھائی ہزار سال پہلے کا زمانہ اجودھیا کے پتہ چلائے ہوئے آثار سے میل نہیں کھاتا۔

ڈاکٹر شکلا لکھتے ہیں کہ بودھ کے زمانہ میں اجودھیا میں جو حکومت قائم ہوئی اس کے نشانات کا تو پتہ چلتا ہے مگر اس سے پہلے کی حکومت اور تہذیب کے آثار کا بالکل پتہ نہیں ہے اس لئے جو لوگ اجودھیا میں کسی جگہ کو رام جنم بھومی مانتے ہیں ان کی تائید نہ تو تاریخ اور نہ آثار قدیمہ سے ہوتی ہے، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ رامائن کے اجودھیا اور موجودہ اجودھیا میں بڑا فرق ہے، رامائن میں ہے کہ کوسل کا دارالسلطنت اجودھیا سرجو ندی کے کنارے پر ضرور تھا، مگر ندی سے کافی دور ساڑھے تیرہ میل پر تھا، مگر آج کا اجودھیا ندی سے بالکل قریب ہے، رامائن میں یہ بھی ہے کہ سرجو ندی مغرب کی جانب بہتی ہے اور گنگا سے کچھ دور ہے، مگر آج کل یہ ندی پورب کی جانب بہتی ہے اور یہ راپتی میں نہ کہ گنگا میں جا کر ملتی ہے ڈاکٹر شکلا نے یہ بھی پورے وثوق کیساتھ لکھا ہے کہ راون اور رام کی لڑائی کا ثبوت بھی کتبے اور آثار قدیمہ سے نہیں ملتا، وہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ رامائن میں ذکر ہے کہ شرنگویر پور میں گنگا پار کر کے رام بھاردواج آشرم گئے، مگر ان دونوں جگہوں کی کھدائی ہو گئی ہے، جس میں حضرت عیسیٰؑ سے سات سو سال پہلے کی انسانی آبادی کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

رام چندر جی کی شخصیت اور اہمیت رامائن ہی سے متعین ہوتی ہے، اس سے پہلے ان کا ذکر کہیں اور نہیں آتا، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ رامائن کب اور کیسے لکھی گئی؟ آج سے انچاس برس پہلے اسی رسالہ معارف میں اس پر بحث چھڑی تھی رامائن کا تجزیہ کرتے ہوئے راج مندری (دکن) کے مسٹر ملادی وین کٹا رتنام سابق وائس پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ کالج راج مندری نے ایک کتاب "رام مصر کا فرعون" کے نام سے لکھی ہے اسمیں انہوں نے ایسی باتوں کا انکشاف کیا ہے کہ جنکو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے انکا خیال ہے کہ رامائن ایک مصری فرعون رامیز ثانی کے قصہ سے ماخوذ ہے خود رام کا نام ہندی الاصل نہیں بلکہ سامی الاصل ہے سیریا کے ایک بادشاہ کا یہی نام ہے رامائن کا دوسرا زبردست کردار سیتا جی ہیں، رامائن ہی کا بیان ہے کہ یہ نام اسلئے پسند کیا گیا تھا کہ جنک نے ہل چلاتے وقت انکو پایا تھا۔ بہ الفاظ دیگر وہ کسی عورت کے بطن سے پیدا نہ ہوئی تھیں بلکہ دھرتی ماتا کی اولاد تھیں، لیکن سیتا ایک بہت ہی قدیم مصری نام ہے، وہاں اب بھی دولت مند خواتین کے نام کے ساتھ عزت اور ادب کے لحاظ سے اسکو لگا دیا جاتا ہے، قاہرہ میں آج بھی ایک مسجد سیتا زینب کہلاتی ہے وین کٹا رتنام نے اسی طرح رامائن کے اور ناموں کی تطبیق مصری ناموں سے کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے قدیم آثار میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے ثابت کیا جائے کہ رام چندر جی نے کسی خطہ پر حکومت کی یہ ایک مصری کہانی ہے، جس کو ہندوؤں کے مزاج کے مطابق ایک مقدس رنگ دے دیا گیا ہے، یہ خیال کہاں تک صحیح ہے اس سے ہم کو بحث نہیں، مگر ملادی وین کٹا رتنام نے اس کی تصنیف کا جو زمانہ متعین کیا ہے اس سے ضرور دلچسپی ہے

وین کٹا رتنام کا دعویٰ ہے کہ رامائن میں بودھ مت کے حوالے اکثر جگہ موجود ہیں مثلاً جب رام اور لکشمن وشوامتر رشی کیساتھ راکشسوں کو قتل کرنے جا رہے تھے اور متھلا پہونچے تو گوتم کے سب سے بڑے بیٹے ستانند سے ملاقات ہوئی، اس کے معنی یہ ہوئے کہ رام چندر جی گوتم بدھ کے بعد ہوئے، کیا یہ صحیح ہے؟ یا رامائن کی یہ روایت صحیح نہیں ہے؟ اگر اس میں گوتم بدھ کے لڑکے کا ذکر ہے تو یہ تصنیف چھٹی صدی عیسوی کی قرار دی جا سکتی ہے، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رام چندر جی حضرت عیسیٰ سے ڈھائی ہزار سال پہلے پیدا ہوئے تو پھر رامائن ان کے تین ہزار سال کے بعد لکھی گئی جو کتاب کسی معاصر ماخذ یا مستند اثری اور کتبی شہادتوں کے بغیر قلمبند ہوتی ہے، اس میں سنی سنائی ہوئی روایتوں کا سہارا زیادہ ہوتا ہے۔ جسمیں مورخوں کے نزدیک تاریخیت نہیں ہوتی۔

وین کٹا رتنام لکھتے ہیں کہ خود رامائن میں ہے کہ نرد پہلا شخص ہے جس نے بالمیک کو یہ افسانہ سنایا۔ اس میں اس نے کیسی رنگ آمیزی کی اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالمیک ہندو نہ تھا، کوئی بدیسی نووارد تھا، رامائن میں یہ بھی ہے

کہ نرد برہما کا بیٹا تھا، جس کو رام کا قصہ سنانے کے لئے برہما نے بالمیک کے پاس آسمان سے بھیجا، جس کے بعد وہ پھر آسمان کی طرف چلا گیا، مگر رامائن میں ایک جگہ یہ بھی ہے کہ چترکوٹ میں بالمیک اور رام چندر کی ملاقات ہوئی۔ رام چندر جی نے اپنا جو قصہ سنایا، اسی کو بالمیک نے قلمبند کر دیا وین کٹا رتنام لکھتے ہیں کہ اس تضاد کا اندازہ خود مورخین کر سکتے ہیں، وین کٹا رتنام جو چاہیں لکھیں مگر ہندو رامائن کو ایک آسمانی صحیفہ سمجھتے ہیں تو ہم کو ان کے مذہبی جذبات کا احترام کرتے ہوئے اس پر زیادہ بحث کرنے کا حق نہیں۔

رامائن میں جو عجیب وغریب واقعات لکھے گئے ہیں، وین کٹا رتنام نے اس کی طرف بھی توجہ دلائی ہے وہ لکھتے ہیں، بال کھنڈ میں سیتا اور رام کی شادی کے وقت جو نسب نامہ دیا گیا ہے وہ یہ کہ وشنو سے برہما جی پیدا ہوئے۔ برہما کے لڑکے اکش وشنو تھے، اکش وشنو کے بیٹے دسرتھ تھے۔ جو رام چندر کے باپ تھے دسرتھ نے ساٹھ ہزار سال تک حکومت کی اور رام چندر گیارہ ہزار برس تک تخت نشین رہے، راون کے دس سر تھے، رام کا حریف ومقابل راون تھا جو رامائن کے تمام افراد میں سب سے زیادہ عجیب وغریب ہے کیونکہ وہ ایک برہمن اور ویدوں کا مفسر بھی بتایا جاتا ہے راون کا ماخذ سنسکرت کا لفظ "راو" بتایا گیا ہے جس کے معنی ہیں چلانا یا پکارنا اسکی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ راون اور شیو میں جنگ ہوئی، راون نے اس پہاڑ کو جس پر شیوجی بیٹھے ہوئے تھے اکھاڑ کر آسمان کی طرف پھینک دیا شیوجی نے غصہ میں پاؤں کے انگوٹھے سے پہاڑ کو دبایا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑ پھر زمین پر آگرا اور راون کا ہاتھ اسکے نیچے دب گیا اور وہ چلانے لگا اور آخر شیوجی نے ترس کھا کر راون کا ہاتھ نکال دیا اسوقت سے راون شیوجی کا معتقد ہو گیا اور جب ہی سے راون کہلایا، دس کنتھ" اور "دس گریو" اس کا لقب ہے، کیونکہ رامائن کے مطابق وہ دس سروں والا انسان تھا اور جب رام چندر سے جنگ ہو رہی تھی تو اس کا ایک سر کٹنے کے بعد اسکی جگہ نیا سر پیدا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ رام چندر جی کی تلوار نے اسکو ایک سر کاٹ ڈالے اسی لڑائی کے ذکر میں ہے کہ بندروں نے رام چندر جی کی حمایت کی اور وہ ہمالیہ سے پتھر لاتے تھے اور آسمان تک لے جاتے تھے وہ سمندر کو ایک جست میں پھاند جاتے تھے ایسے تمام واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے وین کٹا رتنام لکھتے ہیں کہ یہ خلاف عقل بیانات شاعرانہ تخیل کے لئے تو جائز سمجھے جا سکتے ہیں لیکن تاریخ کیا افسانہ کے معیار سے بھی گر جاتے ہیں پھر اپنی طرف سے یہ کہنا ہے کہ جب ہندو ان باتوں کو سچ سمجھ کر ان پر مذہبی اعتقاد رکھتے ہیں تو ہمارے لئے اس پر جرح وقدح کی گنجائش نہیں البتہ اسکی طرف خیال ضرور جاتا ہے کہ اگر رامائن کے مطابق راجہ دسرتھ اور رام چندر جی کی حکومت اکہتر ہزار سال رہی تو پھر عام روایت جو یہ ہے کہ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے پچیس ہزار سال پہلے تھا تو دونوں کی حکومت کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا عہد حضرت عیسیٰ سے چھیانوے ہزار سال پہلے رکھنا ہو گا۔

وین کٹا رتنام یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے آثار الصنادید بھی کوئی چیز ایسی نہیں پیش کر سکتے جس کو رام چندر جی کی یادگار کہا جا سکے چترکوٹ، دنڈک، پنج وٹی، غرض تمام ایسے مقامات پر جن کو رام کے گزرگاہ ہونے یا قیام کا شرف حاصل ہوا ہے، سوائے ان مندروں کے جو عقیدت مندوں نے بعد میں تعمیر کر دیئے ہیں، بلکہ اکثر مقامات کا وقوع بھی مشتبہ ہے کیونکہ ہندوستان میں شاید ہی کوئی صوبہ ایسا ہو جہاں کے دو چار مقامات پر رام کا گزر نامزد نہ ہو۔ گوداوری کے قریب بہت دور مشرق کی طرف ہٹا ہوا ایک اور مقام "پرنا سالہ" نامی بھی رام کی قیام گاہ بتائی جاتی ہے۔ پرنا سالہ اور پنج وٹی یہ دونوں مقام وہ ہیں جہاں سے کہا جاتا ہے کہ راون سیتا کو لے گیا یہ دعویٰ ان تمام مقامات کی فرضی حیثیت پر روشنی ڈالتا ہے جن کو رام کے سفر وحضر سے منسوب کیا جاتا ہے،

وین کٹا رتنام یہ بھی لکھتے ہیں کہ دسرتھ کی ایک بڑی سلطنت کوسل نامی دریائے سرجو کے کنارے واقع تھی اس کا دارالسلطنت اجودھیا تھا، جس کو خود منو نے آباد کیا تھا، اس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں اور ایک ناقابل عبور خندق اسکی حفاظت کیلئے تھی، یہاں ایسے ایسے آلات حرب موجود تھے جو ایک دم سو سو آدمیوں کو ہلاک کر سکتے تھے، کئی محل، بہت سی منزلیں اور عمارتیں اس کی رونق تھیں، اجودھیا کا یہ شہر دنیا میں جواب نہ رکھتا تھا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے وین کٹا رتنام لکھتے ہیں کہ شہر اجودھیا کی عظمت، خوبصورتی اور استحکام کا جو ذکر ہے اس کے لئے گواہی دینے والی ایک اینٹ بھی موجود نہیں، اجودھیا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، ممکن ہے کہ یہاں کچھ بدیسیوں نے آکر نو آبادی قائم کر لی ہو اور اس سے رام کی روایت ملک میں پھیل گئی۔

رامائن پر اس قسم کی تنقیدیں ہندوؤں کو ضرور ناگوار گزریں گی مگر یہ ہندوؤں کی ہی لکھی ہوئی ہیں، اسلئے وہ غور وفکر کی دعوت ضرور دیتی ہیں اور اگر رامائن میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اسکو وہ اپنے سینے سے لگائے رکھنا ہی پسند کرتے ہیں، تو اسمیں کسی قسم کی مداخلت کی ضرورت بھی نہیں، وہ رامائن کو ایک مقدس کتاب اور اجودھیا کو ایک پوتر استھان ضرور سمجھیں، مگر خدارا اجودھیا کی کسی تاریخی چیز اور خصوصًا بابری مسجد کی غلط قسم کے تاریخی حوالے دے کر اسکو اسطرح متنازع فیہ نہ بنا دیں جس سے ملکی مفاد اور جذباتی ہم آہنگی خطرہ میں پڑ جائے اور ملک میں ہر طرف نفرت کی آگ بھڑکتی ہوئی دکھائی دے۔

● ● ●

بقیہ ص ۷

دوسرے عنوان کا سہارا لے کر یہ کام کرتے ہیں جسکی وجہ سے مسلمان ایک زبردست غیر اعلان شدہ جنگ سے دوچار رہتے ہیں، اس زمانہ میں دین کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنا ایک عام ذہنیت ہے کسی بھی ملک نے اخلاص کے ساتھ سیکولر نظریہ قبول نہیں کیا۔ اگرچہ اس کا پروپیگنڈہ خوب کیا جاتا ہے، ہر ملک اپنے ملک کی اکثریت کے دین، تہذیب اور زبان کے احیاء اور ترقی کے وسائل اختیار کرتا ہے اور اس کے مخالف رجحانات کو کنٹرول کرتا ہے صرف اسلامی ممالک جن کی باگ ڈور مغربی نظام تعلیم کے پروردہ قائدین کے ہاتھ میں ہے وہ سیکولرزم پر خلوص سے عامل ہیں۔

ان کے یہاں غیر اسلامی افکار وتحریکات کو پوری آزادی حاصل ہے وہ اپنے ملک میں اکثریت کی مرضی کے خلاف دشمنان اسلام سے دوستی اور ان پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ اس کے بعد بھی وہ اپنے مغربی آقاؤں کے معتمد بننے کے قابل نہیں بن سکے اور وہ ان کی نگاہوں میں متعصب اور بنیاد پرست مسلمان ہیں۔ اللہ رب العزت نے اس کی خوب ترجمانی کی ہے۔

ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم قل ان هدى الله هو الهدى ولئن اتبعت اهواءهم بعد الذى جاءك من العلم ما لك من الله من ولى ولا نصير (سورہ بقرہ آیت ۱۲۰)

یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقہ کو نہ اپنا لو تم صاف صاف کہدو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے اور اگر بالفرض تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی گرفت سے تم کو بچانے والا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔

دعائے مغفرت

مولانا منور حسین (ضلع پورنیہ بہار) کی طبیعت ۱۳؍ مارچ کو بمقام پورنیہ اچانک خراب ہو گئی۔ وقت موعود آپہنچا اور بوقت ۸ بجے شام داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم کی شخصیت علمی ودینی خدمات کی وجہ سے صوبہ بہار میں بہت ممتاز تھی، مولانا مظاہر علوم سہارنپور سے تحصیل علم سے فراغت کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی حصول علم کے لئے داخلہ لیا، اس کے بعد دارالعلوم لطیفی کٹیہار سے منسلک ہو گئے اور آخری وقت تک علم حدیث کی خدمات بحیثیت شیخ الحدیث انجام دیتے رہے۔ تصوف وسلوک میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے، مولانا منور حسین مرحوم اپنے زہد وتقویٰ، نیک نفسی وشرافت کیوجہ سے بہت مقبول تھے، اپنی پوری زندگی دین اور علم دین کی خدمت اور رشد وہدایت میں گزار دی، تبلیغی جماعت سے ان کا خاص تعلق تھا، ان کی مساعی اور جد وجہد سے بہت بڑا حلقہ دین سے قریب ہوا اور دینی فضا قائم ہوئی۔ مولانا مرحوم کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے خاص تعلق تھا۔ مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مجلس انتظامی کے رکن بھی تھے۔

عورت کا حُسن

اُصولِ فطرت کے مُطابق عورت بنکر رہنے میں ہے

عائشہ عدویہ

عائشہ عدویہ ایک امریکی نومسلم خاتون ہیں انہوں نے ایک پاکستانی باشندے سے شادی کی ہے اور دونوں میاں بیوی نیویارک میں درآمد و برآمد کا کاروبار کرتے ہیں۔ عائشہ عدویہ سسٹرزان اسلام (خواہران اسلام) کی رکن ہیں۔ یہ تنظیم کولمبیا یونیورسٹی کی مسلم طالبات نے قائم کی ہے یہ تنظیم مسلم طالبات اور عورتوں میں دینی شعور اجاگر کرنے اور ایک غیر مسلم معاشرہ میں خواتین کی دینی تربیت کا ایک چھوٹا مگر مؤثر ادارہ ہے، ایک ملاقات میں عائشہ عدویہ نے اپنے قبول اسلام کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے سولہ برس پہلے اسلام قبول کیا تھا، انہوں نے کہا کہ مجھے اپنی ابتدائی زندگی میں اطمینان حاصل نہیں تھا۔ میں عیسائیت سے مطمئن نہیں تھی اور میرا دل کسی اور چیز کی تلاش میں تھا، میں حقیقی سکون کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی کہ ایک دن میری نظر ایک امریکی نومسلم میلکم ایکس کی ایک کتاب پر پڑی، اس کتاب میں اسلام کا تعارف کرایا گیا تھا میں نے اس کتاب کو سرسری طور پر پڑھا تو اس سے بہت متاثر ہوئی، میں نے اسلام کو ایک سادہ اور آسان مذہب محسوس کیا، میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ اسلام فطرت سے بہت قریب ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے وہی اصل زندگی اور اسکی حقیقت ہے، میں نے اسلامی تعلیمات کا مزید مطالعہ کیا تو ایسا محسوس ہوا کہ تمام رازہائے سربستہ ایک ایک کرکے کھلتے جارہے ہیں۔ اور میں ایک نئی روشنی کی طرف جارہی ہوں، رفتہ رفتہ مجھ پر اسلامی تعلیمات کے اثرات پڑنے لگے اور میرے رہن سہن اور دوسرے طریقوں پر حیرت انگیز تبدیلیاں خود بخود رونما ہونے لگیں، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی نامعلوم ہستی میری رہنمائی کررہی ہے۔ اور مجھے ہدایات دے رہی ہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے عائشہ عدویہ نے کہا کہ میں ایک ماڈرن اور سرکش لڑکی تھی، میں بلا کی سگریٹ نوش تھی، اور شراب بھی خوب پیتی تھی جب میں نے اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان میں پڑھا کہ اسلام میں شراب حرام ہے عورت کو عریاں لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اصول اور معیارات مقرر ہیں تو میں کسی نامعلوم طاقت کے اشارے پر ایک ایک کرکے اپنی تمام بری عادات ترک کرتی گئی، میں نے سگریٹ نوشی ترک کردی اور شراب کو ہاتھ تک لگانا بند کردیا، جب میں نے کلمہ شہادت پڑھا ہے تو اس سے بہت پہلے میں دل سے اسلام قبول کرچکی تھی، مجھ پر یہ احسان خداوندی ہے کہ اس نے مجھے گندگی کے ڈھیر سے نکال کر اسلام کی پاکیزگی اور طہارت سے ہمکنار کیا۔

عائشہ عدویہ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں دنیا کے بہت سے ملکوں کا دورہ کرتی رہتی ہیں، انہوں نے بہت سے مسلم ملکوں کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کئے۔

مسلم ملکوں میں جگہ جگہ مساجد اور ان مساجد سے بلند ہوتی ہوئی اذان کی آوازیں مجھے بہت سکون بخشتی ہیں، لیکن مجھے مسلم ملکوں کی مسلمان عورتوں سے بہت مایوسی ہوئی، میں نے دیکھا کہ مسلم ملکوں میں بیشتر مسلمان عورتیں مغرب کی طرف مائل ہیں، وہ خود کو ماڈرن ثابت کرنے کے شوق میں مغربی تہذیب اور لباس اختیار کررہی ہیں جبکہ مغربی ملکوں میں جو لڑکی یا عورت اسلام کی طرف مائل ہوتی ہے تو وہ اس معاشرے کی قید سے خود کو سب سے پہلے آزاد کرتی ہے جہاں منشیات، شراب، عریانی اور بے راہ روی تمام حدود کو پار کرچکی ہیں۔ یہ ایک بہت مشکل کام ہوتا ہے لیکن اسلام کی صورت میں دنیا کی سب سے بیش قیمت چیز حاصل کرنے کے لئے مغرب کی عورت اپنے معاشرہ سے مکمل طور پر بغاوت کرتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا درجہ کتنا بلند ہوگیا ہے درحقیقت اسلام نے عورتوں کو جو درجہ اور مقام دیا ہے اس کو غیر مسلم عورت سمجھ ہی نہیں سکتی۔ الّا یہ کہ وہ اسلام کا بغور مطالعہ کرے۔

عائشہ عدویہ نے بتایا کہ مسلم ملکوں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اسلامی تعلیمات کا نمونہ ہونا چاہئے انہوں نے زور دیا کہ وہ اپنے ملکوں کی نوجوان نسل کی رہنمائی کریں اور ان کو مغرب کی مرعوبیت سے نجات دلائیں اور ان کو اس آب حیات سے روشناس کرائیں، جسکی تلاش میں مغرب سرگرداں ہے عائشہ نے مسلم ملکوں کے انگریزی اخبارات پر سخت تنقید کی اور کہا کہ درحقیقت یہی اخبارات نوجوان نسل کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کررہے ہیں۔ مسلم ملکوں میں مغرب زدہ عورتیں حقوق کی باتیں کرتی ہیں اگر ان کے مطالبات کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ان مطالبات کی آڑ میں اسلام

عورت کا بنیادی کردار نسلوں کی پرداخت و نگہداشت کا ہے یہ وہ عظیم کام ہے جس پر قوموں کے مستقبل کا دارومدار ہے۔

سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتی ہیں اگر مغربی معیارات کی عینک سے عورت کو نہ دیکھا جائے تو اسلام میں عورت کا مقام اور درجہ کوئی متنازعہ سوال نہیں ہے، بعض مسلمان عورتوں کی طرف سے حقوق کے مطالبہ پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس بات کا مطالبہ کررہی ہیں۔ کیا وہ وہی مقام حاصل کرنا چاہتی ہیں جو مغرب کی عورت حاصل کرچکی ہے۔ اور جہاں سے نکلنے کیلئے وہ تڑپ رہی ہیں؛

عائشہ عدویہ سے سوال کیا گیا کہ مغرب میں قبول اسلام کی رفتار کیا ہے اور اسلام قبول کرنے والوں میں مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ کیوں ہیں تو انہوں نے کہا۔

کیا آپ وہی مقام حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ جو مغرب کی عورت حاصل کرچکی ہے۔

• مغرب کے تمام ملکوں میں قبول اسلام کی رفتار خاصی تیز ہے لیکن اسلام قبول کرنے کی صحیح تعداد بتانا میرے لئے ممکن نہیں ہے، کیونکہ میرے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں جن سے میں اسلام قبول کرنے والوں کی صحیح تعداد بتا سکوں، لیکن یہ بات درست ہے کہ مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں میں عورتوں کا تناسب زیادہ ہے اسکی سب سے بڑی وجہ عورت کا وہ مقام اور احترام ہے جو اسلام عورت کو عطا کرتا ہے حقوق کی تلاش میں عورت جب

عورت کا حسن، اس کا وقار اس کا احترام، مردانگی میں نہیں، فطرت کے اصولوں کے مطابق عورت بن کر رہنے میں ہے۔

ایک مرتبہ گھر کی پرسکون دہلیز پار کرجاتی ہے تو اس سراب کے پیچھے گھومتے گھومتے وہ اپنا آپ گنوا بیٹھتی ہے یہی میں تنبیہ کرنا چاہتی ہوں کہ ہمارے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے اور انہی راستوں پر بھٹکنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے اس مقام پر غور و فکر کیا جائے جو اللہ ہمارا آقا و مالک ہے منصف و عادل ہے، بخدا اس نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ اسلام کو کھینچ تان کرنے والے مطلب دینے سے بہتر ہوگا کہ ہم اس کردار کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کریں، جو اللہ تعالیٰ نے عورت کو معاشرے میں ادا کرنے کو بھیجا ہے عورت کا بنیادی کردار نسلوں کی پرداخت و نگہداشت کا ہے یہ وہ عظیم کام ہے جس پر قوموں کے مستقبل کا دارومدار ہے اس ذمہ داری سے نظریں نہ چرائیں، اسے حقیر مت سمجھیں۔ اس کو فخر محسوس کریں کہ اس اہم ترین منصب پر اللہ نے عورت کو فائز کیا اور مرد کو آپ کی حفاظت اور ناز برداری پر مامور کردیا۔ وہ حقوق ضرور طلب کیجئے جو اس ذمہ داری کو بہ احسن نبھانے کے لئے آپ کو اللہ رب العٰلمین نے عطا کئے ہیں مگر خدارا اس دائرے کے باہر للچائی نظر مت دیکھئے، وہ محض ایک سراب ہے، عورت کا حسن، اسکا وقار، اسکا احترام، مردانگی میں نہیں، فطرت کے اصولوں کے مطابق عورت بن کر رہنے میں ہے۔ عورت کو تعلیم دلوائیے، بہترین طریقے پر، تاکہ وہ بہترین ماں بن سکے۔ عورت کی تربیت پر مرد سے بھی زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اس کی گود آپ کا مستقبل ہے۔

•••

عالم اسلام

محمود الأزہار ندوی

شاہ فیصل انعامات

موسسۃ الملک الفیصل الخیریہ کی طرف سے اس سال جن لوگوں کو انعامات کا مستحق سمجھا گیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ خدمت اسلام کا انعام جناب احمد حسین دیدا کو دیا گیا یہ ۴۵ سال سے تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں ان کا مرکز جنوبی افریقہ ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی صرف دو فیصد ہے لیکن انھوں نے اسلامی تشخص برقرار رکھنے میں بہت ہی کدو کاوش کی ہے، وہ مبلغ و مناظر ہیں۔ اور ان کی بعض تصانیف بھی ہیں اور صرف جنوبی افریقہ میں آپ کے ہاتھوں ۵ ہزار افراد مشرف بہ اسلام ہوچکے اور تین سو سے زائد مساجد و مدرسے بن چکے ہیں۔ آپ کی مشہور کتابوں میں "کرائسٹ ان اسلام" جس کی ایک لاکھ ہزار سے زائد کاپیاں شائع ہوچکی ہیں۔ اسی طرح "بائبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتی ہے" اس کی تین لاکھ سے زائد کاپیاں شائع ہوچکی ہیں۔ دوسرے فرانسیسی مسلمان عالم کے ساتھ مل کر نصف نصف دیا گیا۔ ڈاکٹر رجا جارودی فرانسیسی ہیں اس وقت سوئزرلینڈ میں مقیم ہیں ان کی اہلیہ مراکشی عرب ہیں۔

۲۔ علوم اسلامیہ کا انعام ایک عراقی عالم پروفیسر ڈاکٹر عبد العزیز عبد الکریم الدوری کو دیا گیا ان کی عمر اس وقت ۶۸ سال ہے اور انھوں نے بغداد کے علاوہ لندن یونیورسٹی میں تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔

۳۔ عربی ادب کا انعام بھی ایک عراقی عالم کو ملا ان کا نام پروفیسر محمد بہجۃ الاثری ہے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔

۴۔ طب کا انعام تین ایسے ماہرین کو دیا گیا جنھوں نے ذیابیطس پر تحقیق کی تھی۔ کیونکہ اس کے لئے یہی موضوع تجویز کیا گیا تھا۔ ان میں پہلے ماہر ڈاکٹر جہاں فرانکو بوتمازو ہیں جو اطالوی نژاد ہیں انکی عمر صرف چالیس سال ہے لیکن ان کا تحقیقی کام کافی وسیع اور وزنی سمجھا جاتا ہے اس انعام میں انکے شرکار ڈاکٹر آبرٹ رینالڈ ہیں جو جرمنی کے رہنے والے ہیں انکی تصانیف متعدد ہیں اور سوا چار سو کے قریب انکے تحقیقی مقالات ہیں اس انعام میں انکے تیسرے ساتھی پروفیسر ڈاکٹر لیلیو اوربی ہیں یہ اطالوی نژاد ہیں اور روم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں اس سال کے آخری انعام یافتہ ایک انگریز ڈاکٹر میکائل یون بیرج ہیں جنہوں نے سائنس میں نمایاں کام کیا یہ انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں انکی تحقیق کا میدان انسانی جسم کے خلیہ جات کا باہمی ربط اور ردعمل کس طرح ہوتا ہے یہ حیاتیات کے پروفیسر ہیں اور انہیں نیورو فزیالوجی اور فارماکولوجی کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔

گزشتہ سالوں میں خدمت اسلام کا انعام ۱۹۷۹ میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کو ۱۹۸۰ میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور ڈاکٹر محمد ناصر انڈونیشیا کو ۱۹۸۱ میں مرحوم شاہ خالد کو ۱۹۸۲ میں شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن باز کو ۱۹۸۳ میں شیخ حسنین محمد مخلوف (مصر) کو اور تنکو عبد الرحمٰن ملائشیا کو مشترکہ طور پر دیا گیا ۱۹۸۴ میں انعام شاہ فہد کو اور ۱۹۸۵ میں پروفیسر عبد رب الرسول سیاف (افغانستان) کو دیا جا چکا ہے دوسرے شعبوں کے انعامات کی تفصیل طویل ہے اسکی ملک وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

افغانستان	۱	مصر	۸
فرانس	۱	جرمنی	۱
بھارت	۳	انڈونیشیا	۱
عراق	۲	اٹلی	۲
اردن	۱	ملائشیا	۱
پاکستان	۱	فلسطین	۱
سعودی عرب	۴	جنوبی افریقہ	۱
سوئزرلینڈ	۲	شام	۱
ترکی	۱	برطانیہ	۲
امریکہ	۲		

امریکہ لیبیا جھڑپیں

امریکہ اور لیبیا کے مابین خلیج سدرہ کو بہانا بناکر جھڑپیں کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی دونوں کے مابین اسکو موضوع بناکر ۱۹۸۱ میں جھڑپیں ہوچکی ہیں دونوں ملکوں کے مابین موجودہ جھڑپوں کا فوری سبب سمندری حدود کا تنازعہ ہے، بین الاقوامی قانون کے مطابق کسی بھی ملک سے ملحقہ سمندری علاقہ بارہ میل تک اسی ملک کی بحری حدود سمجھا جاتا ہے اور کسی دوسرے ملک کے جہاز ان حدود میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوسکتے لیکن بعض ممالک نے اپنے ساحلوں کی مخصوص اسٹریٹیجی کے پیش نظر اپنی سمندری حدود میں اضافہ کا دعویٰ کر رکھا ہے مثلاً برطانیہ کا دعویٰ برسٹل بے پر ہے کینیڈا کا دعویٰ ہڈسن بے پر ہے بولیویا کا ٹورنٹو اور خود امریکہ کا چیل پیک پر ہے جبکہ امریکہ نے مذکورہ ممالک کے خلاف کوئی فوجی کاروائی نہیں کی اور اس نے لیبیا کے دعوی پر فوجی کاروائی کی، دراصل امریکہ کی نگاہ لیبیا کے اس دعوی پر نہیں تھی بلکہ اس نے بہانہ بناکر ایک ملک کے خلاف مکمل جارحیت کرڈالی اس کے سامنے خلیج سدرہ کے جنوب مغرب میں واقع سام ۵ اور سام ۲ اینٹی ایرکرافٹ میزائلوں کے اڈے تھے اور اسکے دعوی کے بموجب اس نے اس کو تباہ کردیا، جبکہ لیبیا اس کی تردید کرتا ہے، روس نے اسے سال گزشتہ معمر قذافی کے دورہ اکتوبر کے بعد دیا تھا ان میزائلوں کی مار تین سو کلومیٹر تک ہے اور یہ انتہائی مؤثر اور جدید ہتھیار ہے، لیبیا میں سام ۵ میزائلوں کی موجودگی امریکی بحریہ کی آزادانہ نقل و حرکت کے لئے خطرہ ہے اور تین سو کلومیٹر تک ان نصب شدہ میزائلوں کی مار سے محفوظ نہیں ہیں عالمی رائے عامہ کا لیبیا کے ساتھ ہمدردی کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے قبل بھی عالمی رائے عام نے اس موقف کا اعادہ کیا ہے لیکن وہ جارح کو جارحیت سے باز نہ رکھ سکی بلکہ جارح اپنے مقاصد حاصل کرنے کے بعد ہی باز آیا۔ اور عالمی طاقت خاص طور سے روس کا موقف بھی بہت افسوسناک رہا ہے وہ صرف مذمت کرکے خاموش بیٹھا رہا۔ اور خود لیبیا کے سربراہ معمر القذافی خود ایک متنازع شخصیت رہے ہیں۔ اور پورے عرب ممالک جنہوں نے اس معاملہ میں لیبیا کا ساتھ دیا ہے مگر وہ لیبیا سے کوئی معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ لیبیا سے دوستی کو مخالف مفہوم ہی دیتے ہیں اور لیبیا کے سربراہ کے متضاد بیانات اور طرز عمل نے عالم اسلام کو مزید متحیر کر رکھا ہے اور انہوں نے اب جو حج پالیسی کا اعلان کیا ہے یعنی ہر حاجی کو ۵۰۰ لیبیائی دینار (ایک لیبیائی دینار ۳۵-۴۰ ہندوستانی روپے کے برابر ہوتا ہے) ادا کرنا ہوگا۔ اور زر مبادلہ کے شکل میں بہت ہی محدود رقم لے جانے کی اجازت ہوگی اور وہ جدت طرازی میں بھی کسی سے بھی نہ پیچھے رہے اور سنہ ہجری کے بجائے اسلامی تقویم کی بنیاد وفاۃ الرسول کو قرار دیا ہے اور اپنے کو مجدد کی حیثیت سے پیش کرنے کی پوری کوشش کی نماز عیدین، خطبہ جمعہ وغیرہ کے لئے بلاتکلف تیار رہتے ہیں، تاکہ انکی حیثیت خضر سیاسی نہ رہے بلکہ اپنی قیادت کا محور بھی ان کے ہاتھ میں رہے اور ان کی قیادت کی خام خیالی نے امریکہ اور لیبیا کی جھڑپوں کو جنم دیا ہے۔

لیبیا کے تعلقات عرب ملکوں سے بہت محدود ہیں اور خاص طور سے وہی ممالک اس زمرہ میں آتے ہیں جن کی سرحدیں لیبیا سے نہیں ملتی ہے اور نہ کسی معاملے میں دونوں ایک دوسرے کے معاون ہوسکتے ہیں بلکہ فکری طور پر بھی وہاں کا حکمران طبقہ لیبیا کے سربراہ سے کم نہیں ہے۔

روس اور الجزائر میں تعاون کا سمجھوتہ

الجزائری صدر شاذلی بن جدید جنہوں نے سوویت یونین کا حال ہی میں چار روزہ سرکاری دورہ کیا ہے وطن واپس پہونچنے پر ایک بیان میں کہا ہے کہ سوویت یونین اور الجزائر ۲۰۰۰ تک معاشی، تجارتی اور فنی تعاون کا ایک سمجھوتہ کیا ہے، انہوں نے روسی رہنما گوربا چوف سے مشرق وسطی کے بحران، امریکہ کی لیبیا کے خلاف کاروائی، عراق ایران جنگ، جنوبی افریقہ کی صورتحال اور بحیرۂ روم کے علاقے میں سوویت یونین کی نئی حکمت عملی جیسے امور پر بات چیت کی ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی
۲۷ ویں مجلس تاسیسی منعقدہ رجب ۱۴۰۶ کی قرار دادیں

رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے صدر اور عالم اسلام کے بزرگ و محترم عالم شیخ عبدالعزیز بن باز کی صدارت میں ۲۷ ویں اجلاس کی کاروائیاں مکمل ہوئیں، جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور نائب سکریٹری شیخ ناصر عبودی بھی تمام نشستوں میں شریک رہے مجلس تاسیسی کے ارکان کے علاوہ جمہوریہ مالدیپ کے صدر مامون عبدالقیوم اور فلسطینی تحریک آزادی کے سربراہ یاسر عرفات بھی شریک ہوئے اور حاضرین کو خطاب بھی کیا۔

اس ۲۷ ویں اجلاس میں مجموعی طور پر کل پانچ عام نشستیں ہوئیں مختلف مسائل پر غور اور فیصلہ کے لئے ذیلی کمیٹیاں بنائی گئی تھیں ان کے اجلاس الگ ہوتے رہے اور اخیر میں عالم اسلامی کے موجودہ مسائل پر اہم قراردادیں منظور ہوئیں۔

فلسطین اور بیت المقدس کے بارے میں فیصلہ کیا گیا کہ رابطہ وہاں کے مظلوم مسلمانوں کی ہر ممکن امداد جاری رکھے گا اور تمام مسلمانوں کو انکی امداد کی طرف توجہ دلاتا رہے گا، اسی طرح اسلامی حکومتوں سے اپیل کی گئی کہ تحریک آزادی فلسطین کو اقوام متحدہ کے ان قراردادوں کو تسلیم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے جنمیں انکے حق خود اختیاری کا اعتراف نہیں کیا گیا ہے، اسی طرح مقبوضہ فلسطین میں کام کرنے والے ائمہ اور دینی کام کرنے والوں کی تربیت کیلئے انتظام کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور یہ کہ رابطہ اپنی طرف سے وہاں کچھ ائمہ اور مبلغین کا انتظام کرے۔

لبنان کے مسئلہ کے حل کیلئے مجلس نے اسلامی کانفرنس، عرب لیگ، اس میں شامل ممالک اور رابطہ عالم اسلامی سے مطالبہ کیا کہ لبنان کی خانہ جنگی روکنے کے لئے پوری کوشش کریں وہاں کے مسلمانوں کی مدد کریں اور اسرائیل کی شرارتوں سے نجات دلائیں۔

افغانستان کے متعلق تجویز میں مجلس تاسیسی نے افغان مجاہدین کی تنظیموں اور قائدین پر زور دیا کہ وہ اپنے اتحاد و تعاون کو باقی رکھیں، مجلس نے اسلامی ممالک کو کارمل انتظامیہ یا سوویت روس کے ساتھ تعلقات کے قیام سے پیدا ہونے والے خطرات کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ ان دونوں کے ساتھ تعلقات اسی وقت استوار کرنا مناسب ہوگا جب روسی فوجیں افغانستان سے واپس ہو جائیں اور افغانی مسلمانوں کو حق خود اختیاری حاصل ہو جائے، اسی طرح رابطہ کی مجلس تاسیسی نے افغان مجاہدین، مہاجرین اور افغانستان میں یا مہاجر کیمپوں میں موجود اسلامی اداروں کو طبی، غذائی اور مالی ہر طرح امداد کی اپیل کی تاکہ وہاں کی نئی نسل کو کمیونزم کی گرفت سے آزاد رکھا جائے۔

عراق و ایران میں جنگ بندی کے لئے مجلس نے عراق کے صدر صدام حسین اور ایران کے صدر خامنئی کو ٹیلی گرام بھیجنے کا فیصلہ کیا، قبرص کے بارہ میں مجلس نے مطالبہ کیا کہ فریقین کو اقوام متحدہ کو قرارداد کو تسلیم کرکے فوراً باہمی مذاکرات شروع کرنا چاہئے، مسلمانوں کو ترک قبرصیوں کی امداد کی طرف توجہ دلائی گئی، جنوبی افریقہ کی نسلی امتیاز کی پالیسی کی مذمت کی گئی، علاقہ کے اصلی باشندوں کی تائید اور وہاں کے مسلمانوں کی امداد کی اپیل کی گئی۔ جنوبی افریقہ میں کام کرنے والے اسلامی مراکز اور اسلامی اداروں کی امداد و تعاون کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا گیا، بلغاریہ میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے سلسلہ میں فیصلہ کیا گیا کہ ان مظالم کیلئے اقوام متحدہ، انسانی حقوق کی کمیٹی اور اسلامی ممالک سے اپیل کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ ان مظالم کو روکنے کے لئے اپنے اثرات استعمال کریں مشرقی یورپ کے ممالک میں موجود مسلمانوں کے بارہ میں مجلس نے اسلامی ممالک سے مطالبہ کیا کہ وہاں کے مسلمانوں کی طرف توجہ دیں اور جو باقی رہ گئے ہیں انکی حفاظت اور انکے جائز حقوق کے لئے اپنے اثرات استعمال کریں، فطانی اور تھائیلینڈ کے سلسلہ میں وہاں کے طلبہ کو وظائف دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور فطانی میں نظام تعلیم کے اصلاح اور وہاں کے تعلیمی اداروں اور مساجد کی مالی امداد اور اسلامی کتابیں بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق قرارداد میں رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی نے اس بات پر اپنی مسرت کا اظہار کیا کہ برسر اقتدار جماعت نے اسلامی تعلیمات کے مطابق مسودہ قانون پیش کیا ہے۔ مجلس نے یہ توقع ظاہر کی کہ مسودہ قانون پارلیمنٹ میں منظور ہو جائے گا۔

دعوت اسلامی اور اس سے متعلق موضوعات کو اس اجلاس میں خاص اہمیت دی گئی اسکے تمام پہلوؤں پر اہتمام و توجہ اور تفصیلی غور و فکر کے بعد اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا کہ دعوت، اسکے احکام، اسکے موضوعات اغراض و مقاصد، داعی کے صفات و امتیازات اسکے لئے لازمی شرائط پر از سر نو غور و فکر ہونا چاہئے اور ان سب کو واضح طور پر متعین کرنا چاہئے اور اسکے مطابق دعاۃ کو تیار کرنا چاہئے پھر دعوتی کاموں کی نگرانی اور انکی مادی و معنوی امداد کرنی چاہئے مجلس تاسیسی نے رابطہ میں قائم دعوت اسلامی فنڈ کو مزید مستحکم بنانے کی اپیل کی تاکہ دعوتی پروگراموں کی مدد کی جاسکے، دعاۃ کی ترتیب کیلئے اجتماعات اور کانفرنسوں کو اور ٹریننگ کورس کو جاری رکھنے پر زور دیا گیا دنیا کے مختلف حصوں میں تنظیمیں اور ادارے دعوت کا کام کر رہے ہیں انکے ساتھ تعاون اور انکی امداد کو جاری رکھنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ایک قرارداد میں اسلامی یونیورسٹیوں سے مطالبہ کیا گیا کہ مسلم نوجوان کی تعلیم و تربیت کے لئے زیادہ جگہیں فراہم کریں، اسی طرح اسلامی ممالک سے اپیل کی گئی کہ اپنے نوجوانوں کو غیر اسلامی یونیورسٹیوں میں بھیجنے میں احتیاط کریں کام لیں اور ناگزیر ضرورت کے وقت ہی وہاں بھیجیں، پاکستان میں مجوزہ اسلامی یونیورسٹی کی تکمیل کیلئے تعاون کی اپیل بھی کی گئی، مجلس تاسیسی نے امید ظاہر کی کہ رابطہ کا مرکزی دفتر افریقہ اور ایشیا کے کچھ ملکوں میں آفات و مصائب کے شکار مسلمانوں کی امداد جاری رکھے گا، مجلس نے تاکید کی کہ مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عام مسلمانوں کو غیروں کی تقلید و اتباع کے نتائج و نقصانات اور غیر اسلامی ممالک میں سفر اور وہاں چھٹیاں گزارنے کی خرابیاں بیان کی جائیں، اسی طرح منشیات کے مفاسد سے بھی متنبہ کیا جائے مختلف اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے، رابطہ کی مجلس تاسیسی نے اس پر نظر رکھنے اور دوسری اسلامی تنظیموں کے تعاون سے مخالف اسلام سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے اور گمراہ فرقوں کی اسلام کے لئے جد و جہد تیز کرنے کا فیصلہ کیا۔

اخیر میں ڈاکٹر عبداللہ نصیف نے ان تمام قراردادوں اور فیصلوں پر عمل کا یقین دلایا اور ممبران مجلس اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور شیخ عبداللہ بن باز کی دعا پر اجلاس ختم ہوا۔

بقیہ ص ۱۴

شناختی کارڈ اور شناختی چہرہ
غیبت
تبصرہ بر کتب

دعا ہے کہ یہ دینی و علمی رسالہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔

بقیہ ص ۵

کام کر رہی ہے، وہ روح ہے، جو اللہ کو اور اس کے رسول کو محبوب ہے، اور جو ملتوں، معاشرتوں، تہذیبوں، اور قوموں کی حفاظت کرتی ہے، یہ تہذیبیں، معاشرے اور نظام محض دولت سے، محض طاقت اور حکومت سے محض عہدوں سے، اور محض فتوحات سے باقی نہیں رہتے، وہ وفاداری کے جذبہ، خلوص کی طاقت، اور سچائی اور صداقت کی برکت سے رہے اور رہیں گے میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری معروضات پر سنجیدگی سے غور کرنے کے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گی ؟

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

سوال:۔ داڑھی کے اگر کچھ بال سفید ہو جائیں تو ان کو اکھاڑ سکتے ہیں یا نہیں ؟ سرل

جواب:۔ داڑھی یا سر کے سفید بالوں کا اکھاڑنا درست نہیں ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتنتف الشيب فانه نور المسلم ما من مسلم يشيب شيبة فى الاسلام الاكتب الله له بها حسنة ورفعه بها درجة وحط عنه بها خطيئة رواه احمد وابوداؤد والترمذى والنسائى وابن ماجة

سفید بال مت اکھیڑو، اس لئے کہ یہ مسلمان کا نور ہے، جب بھی کسی مسلمان کے بال سفید ہوتے ہیں تو اللہ اسکے بدلہ میں نیکی لکھتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اسکی ایک غلطی معاف فرماتا ہے

وعن انس رضى الله عنه قال كنا نكره ان ينتف الرجل الشعرة البيضاء من راسه ولحيته (رواه مسلم)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اسکو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنے سر یا داڑھی کے سفید بال اکھاڑے

سوال: ایک شخص فرض نماز پڑھ کر دوسری مسجد پہونچا وہاں لوگوں کے اصرار پر اس نے فرض نماز پڑھا دی تو کیا مذکورہ صورت میں نماز درست ہوگئی یا نہیں ؟ ن

جواب: صورت مسئولہ میں مقتدیوں کی نماز درست نہیں ہوئی کیونکہ امام نے فرض نماز پڑھ لی تھی اور یہ اسکی نفل نماز تھی۔ اور متنفل کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والوں کی نماز درست نہیں ہوتی ہے والاصل فى هذه المسائل ان حال الامام ان كان مثل حال المقتدى او فوقه جاز صلوٰة الامام وان كان دون حال المقتدى صح صلوٰة الامام ولا تصح صلوٰة المقتدى هكذا فى المحيط فتاوى عالمگيرى ج۱ ص۱۱۹

سوال: اگر کسی شخص کی سفر میں نماز قضا ہو جائے اور وہ اسے اپنے گھر پر پہونچ کر ادا کرے تو وہ قصر کرے گا یا نہیں ؟ ح

جواب: صورت مذکورہ میں قصر کرے گا کیونکہ اس پر دو ہی رکعت فرض ہوئی تھیں۔

ومن فاتته صلوٰة فى السفر قضاها فى الحضر ركعتين ومن فاتته فى الحضر قضاها فى السفر اربعا لان القضاء بحسب الاداء (ہدایہ جلد اول ص۱۴۷)

سوال: اگر عورت کے بال گندھے ہوئے ہیں تو وہ غسل کے وقت کیا کرے؟ ط

جواب: بہتر یہ ہے کہ بالوں کو کھول لے اور اگر بغیر کھولے ہوئے بالوں کی جڑوں میں پانی پہونچ جائے تب کافی ہے غسل ہو جائے گا۔

سوال: کیا نماز میں نظروں کا آسمان کی طرف اٹھانا مکروہ ہے؟ ن

جواب: ہاں نماز میں نظروں کا آسمان کی طرف اٹھانا مکروہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لينتهين اقوام يرفعون ابصارهم الى السماء فى الصلوٰة اولتخطفن ابصارهم. (رواه احمد ومسلم والنسائى)

لوگ آسمان کی طرف اپنی نظروں کو اٹھانے سے رک جائیں ورنہ انکی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

سوال: کیا نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے؟ ن

جواب: ہاں مکروہ ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الالتفات فى الصلوٰة فقال هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلوٰة العبد

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اندر ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک اچکنا ہے جس کو شیطان بندے کی نماز سے اچک لیتا ہے۔

سوال: کیا حالت سجود میں ہاتھوں کو بچھا دینا مکروہ ہے۔ ح ن

جواب: ہاں حالت سجود میں ہاتھوں کو بچھا دینا مکروہ ہے۔

اعتدلوا فى السجود ولا يبسط احدكم ذراعيه انبساط الكلب (متفق عليه)

سجدہ میں میانہ روی اختیار کرو اور تم میں سے کوئی کتے کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں کو نہ پھیلائے۔

بقیہ ص ۲

جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور اس کی قضا:

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں پس اگر سخت بیمار ہو گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے، یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے، اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے تو جلد ادا کر لینا چاہئے، کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں کیا خبر موت آجائے اور فرض ذمہ رہے مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہئے۔ قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار رکھے) یا جدا جدا متفرق، اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن بغیر ادا کئے مر گیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر (ایک کلو ۶۳۳ گرام) گندم صدقہ کریں اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور روزہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے

سحری کھانے کا بیان اور فضیلت:

روزے کے لئے سحری کھانا مسنون ہے، اور باعث ثواب ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سحر کھایا کرو کہ اس میں برکت ہوتی ہے" یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے بلکہ ایک دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبالے تب بھی ثواب پائے گا افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھالے اور اگر دیر ہو گئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہو گئی اور کچھ کھا لیا تو شام تک کچھ نہ کھائے اور پھر قضا رکھنا لازم ہے، اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو سحر کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے بلا تکلف کھاؤ پیو۔

افطار:

آفتاب غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہئے البتہ جس روز ابر ہو احتیاط کے لئے دیر کرنا بہتر ہے، کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے اور یہ نہ ہو تو پانی بہتر ہے، آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی، چاول، شیرینی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزہ میں نہیں آتا، البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو اور خرما، کھجور وغیرہ سب سے افضل ہے۔ اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کروگے تو تمہارا ثواب ہرگز کم نہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا، پھر تم اس کو واپس کرکے کیوں بخیل کہلاتے ہو، البتہ یہ مال حرام اور مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو یہ حدیث و فقہ سے ثابت ہے، اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کردی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے، "اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ" اور افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

تراویح اور وتر:

عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح باجماعت مسنون ہے اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن مجید ختم کر دینا چاہئے۔ اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار رکعت پر سلام پھیرا تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہئے چار نہ سمجھے، جس شخص کی دو یا چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے، جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے۔

جو حافظ روپے کی طمع میں قرآن شریف سناتا ہے اس سے بہتر وہ ہے جو الم ترکیف سے پڑھ لے۔ اگر اجرت مقرر کرکے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔ اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے۔ نابالغ کو تراویح میں بھی امام بنانا جائز نہیں حدیث و فقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

عربی مضامین

مرتب: مولانا محمد الیاس صاحب مصباحی
صفحات ۶۳
قیمت چھ روپے
ملنے کا پتہ: المجمع النورانی دار العلوم علیمیہ جمداشاہی۔ بستی۔ یوپی

کتاب کا پیش لفظ "فقیر غلام ربانی فائق اعظمی عفی عنہٗ خادم تدریس دار العلوم علیمیہ و سرپرست المجمع النورانی جمداشاہی" نے لکھا ہے۔ مقدمہ نگار کے مطابق "یہ مضامین الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل ادب کے امیدواروں کے لئے ایک گرانقدر علمی خزانہ ہے جسکو انہوں نے (مقدمہ نگار نے) معانی و بیان اور فصاحت نیز عربی زبان کی سلاست کی چاشنی سے بھرپور پایا ہے۔ "جملوں سے برجستگی آشکار ہے، لفظوں کی ترکیبیں نہایت شگفتہ ہیں، بلاشبہ یہ حضرۃ العلام کی عظیم قابلیت پر ایک وزن دار سند ہے"۔ مرتب کتاب کی غیر معمولی ادبی صلاحیت اور عربی انشاء پردازی کو سراہتے ہوئے مقدمہ نگار نے لکھا ہے کہ "حضرۃ العلام دار العلوم علیمیہ کے نہایت لائق و فائق اور باصلاحیت اساتذہ میں سے ایک ہیں۔ اور عربی زبان کے عمدہ انشاء پرداز ہیں۔ درسیات پر نگاہ عمیق کے مالک ہیں، جو کتاب پڑھاتے ہیں پوری قوت سے پڑھاتے ہیں"۔ "فاضل جلیل حضرۃ العلام دانشکدوں اور درسگاہوں کی جانب سے اس کتاب کی تالیف پر بلاشبہ مبارکباد کے مستحق ہیں، انکی اس کتاب کا مقصد طلبہ کی فطری اور خداداد صلاحیت کو پروان چڑھانا ہے"۔

لیکن جب ہم مقدمہ نگار کی اس شہادت کا ثبوت کتاب میں تلاش کرتے ہیں تو ناکامی ہمارا منھ چڑھاتی ہے اور کتاب یہ کہتی ہے کہ اسکے اکثر مضامین دوسری کتابوں سے ماخوذ ہیں لیکن مصنف نے "دیانتداری" کی وجہ سے ان کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ باہم حسن ظن سے کام لیں تو کہہ سکتے ہیں کہ حضرۃ العلام نے اپنا قلم مجوزہ مصری ادباء حسن زیات اور جرجی زیدان کے قلم سے ملا دیا ہے۔ اور خیالات میں توارد پایا جاتا ہے توارد کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسلوب القرآن کا مضمون استاد حسن زیات کی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ الادب العربی" (ص ۹۰-۹۵) سے ماخوذ ہے۔

(۲) الحدیث النبوی کا مضمون اسی کتاب کے ص ۹۵-۹۶ سے لیا گیا ہے۔

(۳) السیرۃ النبویہ کا مضمون اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۲-۱۲۹ سے لیا گیا ہے۔

(۴) الاسلام دین الرحمۃ معلم الانشاء حصہ دوم ص ۲۴ سے ماخوذ ہے۔

(۵) امرؤ القیس کا مضمون زوزنی کی شرح المعلقات السبع کے مقدمہ ص ۵-۹ سے ماخوذ ہے۔

(۶) الباخرۃ معلم الانشاء ص ۲۹ سے ماخوذ ہے۔

کتاب کے آخری مضامین کا اکثر حصہ معلم الانشاء حصہ سوم سے ماخوذ ہے۔

یہ بات نہیں کہ کتاب کا پورا حصہ قلمی اور ذہنی توارد کی مثال ہے۔ بلکہ مصنف نے خود بھی قلم چلانے کی زحمت کی ہے لیکن یہ زحمت بھی تعقید لفظی و معنوی اور عجمیت کے کانٹوں میں الجھ کر "وزن دار سند" مہیا کرتی ہے۔ بعض نمونے ملاحظہ ہوں۔

مصنف فرماتے ہیں "لأنه (القرآن) فی غایة فصاحة وبلاغة لایمکنه للبشر" (ص ۵) لایمکنه میں ضمیر کا مرجع تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی فصاحة وبلاغة میں انکی ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا بھی پتہ نہیں۔

(۲) اسی پہلے مضمون میں فرماتے ہیں "فیجب علی الاخوان المسلمین أن ینهضوا إلی دراسة اللغة العربیة وانهمکوا بها کتابا فیه هدایة للناس" ص ۵ اس میں ایک تو انهمکوا کا لفظ ہے دوسرے "کتابا" کا یہاں پر کوئی تعلق نہیں۔

(۳) ص ۶ پر قرآن کے نزول کے متعلق فرماتے ہیں۔ "إنما انزل تدریجا فی اثنا عشرین سنة" اس میں لفظی اور معنوی غلطیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اثنا مؤنث ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ مجرور کی حالت میں ہونا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ اثنا کا نون نہیں گرے گا بلکہ اثنتین ہوگا۔ چوتھے یہ کہ اثنتین اور عشرین کے درمیان واؤ بھی رہے گا۔ معلومات کی درستگی کے لئے عرض ہے کہ قرآن مجید تیئس سال میں نازل ہوا نہ کہ بائیس سال میں۔

ص ۲۵ پر "لان العلماء الذین لایعملون بعلومهم جاء فی القرآن تمثیلا" اس میں إنّ کا اسم کہیں نہیں ہے اور جاء کا فاعل بجائے مرفوع کے منصوب ذکر کیا گیا ہے۔ تمثیلا إنّ کا اسم نہیں ہو سکتا۔

"مضامین نو" کے اس انبار سے مشتے نمونہ درج کیا گیا ہے۔ ورنہ پوری کتاب الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات سے تیار ہونے والی صلاحیتوں پر ایک وزن دار سند ہے۔

داستان حیات

سید میر قاسم
مرتب:۔ عبدالرحمن کوندو
صفحات:۔ ۵۶۸
قیمت:۔ ساٹھ روپے
ناشر:۔ ادارہ ادبیات دہلی
ملنے کا پتہ:۔ کتبخانہ عزیزیہ اردو بازار دہلی

پیش نظر کتاب کشمیر کے مشہور سماجی اور سیاسی قائد و رہنما جناب سید میر قاسم کی سیاسی زندگی کی آپ بیتی ہے۔

سید میر قاسم صاحب کشمیر کے ایک مقتدر علمی و دینی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ انکے خاندان کے ایک بزرگ الحاج سید ولی اللہ شاہی (وفات ۱۲۶۶ھ) ایک بڑے عالم و فاضل اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے پچیس سال کی عمر ہی سے سیرت نبوی کو فارسی زبان میں نظم کرنا شروع کیا تو وفات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جنگ بدر کے واقعات تک پہونچے تھے کہ انکی وفات ہو گئی۔ چار جلدوں میں موصوف نے سترہ ہزار نو سو ستائیس شعروں میں حالات و واقعات کو قلمبند کیا تھا۔ اگر انکے منصوبہ کے مطابق کام مکمل ہو گیا ہوتا تو اسّی ہزار شعر اور دس جلدوں تک یہ کام ہو پاتا۔ اسطرح کے کارنامے کو منظر عام پر آنا چاہئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ مسلمانوں نے ہر دور میں اسلامی تاریخ کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔

سید میر قاسم صاحب نے اپنی داستان حیات کو پہلے ٹیپ ریکارڈ کے سپرد کیا، پھر جناب عبدالرحمن صاحب کوندو نے بڑے سلیقہ سے مرتب کرکے آپ بیتی کے موضوع پر تصنیف میں نیا اضافہ کیا ہے، عربی زبان میں اسطرح کی آپ بیتیاں مرتب ہو کر چند سال سے عرب ملکوں سے شائع ہو رہی ہے۔

سید میر قاسم صاحب نے جس ماحول میں تعلیم و تربیت حاصل کی اس نے انہیں سخت سے سخت حالات میں بھی اپنے اصول اور سیرت و اخلاق سے ہٹنے نہیں دیا۔ جبکہ آج کل کی سیاست میں داخل ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" میر صاحب نے اصول و ضمیر کی تجارت کے اس دور میں جبکہ پارلیمنٹ، اسمبلی اور وزارت کی کرسیوں کو ہر قیمت پر خریدا جا رہا ہو اور پارٹی کے ممبروں کا سودا بھیڑ بکریوں کی طرح ہو رہا ہو، سیاسی دنیا میں ایک مثال قائم کر دی ہے۔ انکے کردار کی بلندی کی وقعت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ "کشمیری سیاست" سے ان کا گہرا تعلق ہے۔ میر صاحب کی اس کتاب سے کشمیری سیاست کے پیچ و خم کا علم ہوتا ہے۔ بہت سے حقائق سے پردے اٹھتے ہیں اور کچھ قد آور سیاسی شخصیتوں کا قد گھٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

داستان حیات کی زبان آپ بیتی کی طرح سلیس و شگفتہ ہے کتاب کشمیری سیاست اور مرکز کے حکمرانوں کی ذہنیت اور طرز فکر کے بارے میں ایک مستند دستاویز اور وہ بھی گھر کے بھیدی کی زبان سے ہے۔

نام رسالہ: النصیحة (ماہنامہ)
ایڈیٹر: مولانا سید محمد گوہر شاہ
صفحات: ۴۸
قیمت چالیس روپے پاکستانی سکہ فی پرچہ چار روپے۔
پتہ، دارالعلوم اسلامیہ۔ چارسدہ ضلع پشاور۔ پاکستان

مولانا سید محمد گوہر شاہ صاحب کی ادارت و نگرانی میں یہ نیا رسالہ نکل رہا ہے جس کا یہ چوتھا شمارہ ہے۔ رسالہ علمی، دینی اور اصلاحی طرز کا ہے تازہ شمارہ (دسمبر) کے مضامین کی جھلک یہ ہے

سبب جمع قرآن بعہد حضرت عثمان
نجوم ہدایت
خاتم النبیین
جنگ آزادی میں علماء کا کردار
سندھ میں طلوع اسلام کا ایک تاریخی جائزہ
محبوب العٰلمین

(بقیہ ص ۱۲)

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

دار العلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ ترانوے سال ہو گئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس اثنا میں اس نے گراں قدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں۔ عرصہ دراز سے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی توجہ اور سرپرستی حاصل ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ترینداد، یوگنڈا اور دوسرے ممالک کے طلبا بھی زیر تعلیم ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں کے طلبہ میں اسکی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے نئی اقامت گاہوں کی ضرورت پیش آ رہی ہے اس کے علاوہ دار العلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، اور مزید رہائشی سہولت کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں۔

رواق سعادت کے مشرقی بازو کی تکمیل کے باوجود طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے انکے قیام کے نظم میں دشواری سامنے آتی رہتی ہے خاص طور سے بیرونی طلبہ کے قیام کا کوئی مستقل نظم نہیں ہے، سرپرستوں کے قیام کی سہولت بھی موجودہ اقامت گاہوں کی تنگی کی وجہ سے ممکن نہیں ہو سکی ہے، اس لئے مزید اقامت گاہوں کی تعمیر کی ضرورت باقی ہے

حضرات اساتذہ کرام کے لئے متعدد رہائشی مکانات کی تعمیر کے باوجود ضرورت باقی ہے اس کو دیکھتے ہوئے مزید رہائشی مکانات تعمیر کرنا ہوں گے۔

دار تحفیظ القرآن الکریم

دار العلوم ندوۃ العلماء نے جب دار العلوم میں شعبہ حفظ کا افتتاح کیا تھا، اسی وقت یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ اس شعبہ کے لئے علحدہ عمارت ہوگی جس میں تعلیم کے ساتھ رہائش کا بھی نظم ہوگا، اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے چار سال قبل شیخ الجامعہ مدینہ منورہ کے ہاتھوں سنگ بنیاد رکھ دیا گیا تھا جس کی تعمیر کا آغاز ہو گیا ہے اور جس کے ایک کمرہ کی تعمیر پر تقریباً ۱۵ ہزار کی لاگت آئے گی اپنے یا اپنے مرحوم اعزا کی جانب سے ایک کمرہ کی تعمیر میں حصہ لینا انشاء اللہ صدقہ جاریہ ہوگا۔

توسیع مسجد دار العلوم

دار العلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت و عالی شان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مراحل سے گذر چکی ہے لیکن اب پھر طلبہ کی تعداد و نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے اس میں تنگی شروع ہو گئی تھی اس لئے محراب کی سمت مزید توسیع کا آغاز کیا گیا تھا جس کا ایک حصہ تکمیل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہو چکا ہے، ضرورت کی وجہ سے دوسری منزل کی تعمیر زیر غور ہے۔

دار العافیة (اسپتال)

طلبہ و اساتذہ کی سہولت اور اسپتالوں کی بھیڑ بھاڑ اور بے توجہی کو دیکھتے ہوئے ایک اسپتال کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا تھا جس کی پہلی منزل تعمیر ہو چکی ہے جس میں دو بڑے ہال کے علاوہ، ڈاکٹر کا کمرہ، دواخانہ، دواسازی کا کمرہ، اسٹور روم، ڈریسنگ روم وغیرہ ہیں۔ تین ڈاکٹروں کی جزوقتی خدمات حاصل ہیں، اسپتال کی دوسری منزل زیر تعمیر ہے۔

پریس اور دفاتر کی عمارت

پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصے سے زیر تجویز رہی ہے، تاکہ دار العلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو، سارے درجات اسی میں رہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے چنانچہ اس عمارت کا نقشہ بھی منظور ہو گیا ہے، اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

معہد دار العلوم

دار العلوم اور خاص طور پر معہد دار العلوم میں باوجود وسعت کے تنگی محسوس ہونے لگی ہے امسال کثیر طلبہ کو واپس کیا گیا ہے، اسی طرح دار العلوم میں بھی بہت سے داخلے بعض بعض مجبوریوں کی بنا پر نہیں رکھے جا سکتے یہ صورت حال [illegible] دار العلوم کے لئے باعث فکر ہے اور بعض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا پڑتا ہے نیز تعلیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضروریات [illegible] جن میں مزید اضافہ کا باعث ہیں علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی و دینی منصوبے ابھی تک ترقی و تکمیل کے محتاج رہتے ہیں۔

جدید اعداد و شمار

مجموعی ابتدائی، ثانوی، درجات عالیہ اور تحقیقی مکاتب میں زیر تعلیم طلبہ کی مجموعی تعداد ۲۲۱۹ ہے

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس اہم ضرورت اور دار العلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی اور ہمت سے کام لے کر اس اہم کام میں بھرپور تعاون فرمائیں کہ ہندوستان میں علوم دینیہ کے مراکز کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔ آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں شریک تھے ان کو یاد ہوگا کہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا

"یہ سونے کی چڑیاں سب اڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہ جائیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہم آپ کے گھروں پر جائیں گے۔ آپ کے چار آنے آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، جو یہ دیں گے وہ اس دولت کا [illegible] حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دی ہے اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہوگی۔"

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں سے زیادہ وہ مقصد عزیز ہے جس کے لئے یہ دار العلوم قائم کیا گیا ہے یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، [illegible] کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فکری ارتداد اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و اعتبار کا اعلان، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد ہمیں اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس ملک میں رہتے ہوں یا ملک کے باہر کسی بھی علاقے کے ہوں ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین اور اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ انشاء اللہ مولانا مدظلہ کی بیش قیمت و بابرکت رہنمائی و نگرانی میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام دعوت ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے تک پہنچے گا۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

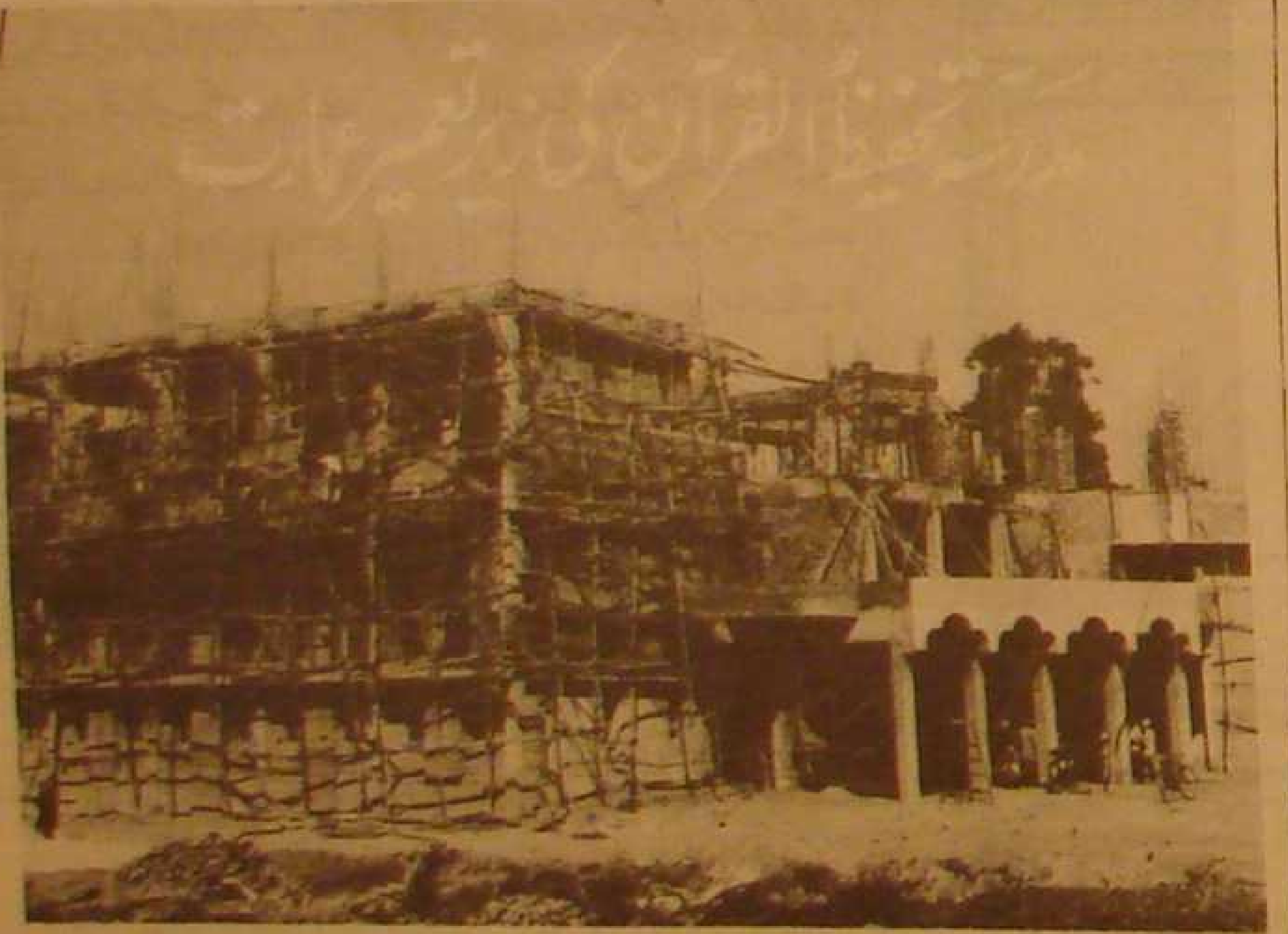

(مولانا) معین اللہ ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

(جناب) ہدایت حسین
(مہتمم مال ندوۃ العلماء)

(مولانا) محب اللہ لاری ندوی
(مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء)

نوٹ: چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، ہر رقم جس مد کی ہو اس کی صراحت ضروری ہے۔ چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے:۔
ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ لکھنؤ
NAZIM NADWAT-UL-ULAMA
P. O. Box. No. 93. NADWA LUCKNOW-7